

# اہل قرآن اہل حدیث

تصویر  
دو مراکز

مولانا محمد عبدالغنی  
نظم اور شاعری

نشر ادارہ اشرف العلوم

# فتنہ انکار حدیث

ایک سرسری جائزہ

پیش کردہ دراجلاس

ھیئۃ الشریعۃ ٹامل ناڈو

بتاریخ : ۲۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ م ۲۶/اگست ۲۰۰۰ء

تحریر  
مولانا محمد عابد القوی

ناشر  
ادارۃ اشرف العلوم  
حیدرآباد

## احوال واقعی

انکار حدیث کا فتنہ ادھر کچھ دنوں سے مختلف عنوانات اور مختلف مباحث کے درپردہ تیزی سے چھلتا جا رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس فتنہ کی داغ بیل ڈالی تھی ان کا اسلوب عالمانہ و ناقدانہ تھا۔ جس میں گفت و شنید اور بحث و مباحث کے بعد اصلاح کی کچھ نہ کچھ توقع تھی، لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں اب اس نظریہ و تحریک کی باگ ڈور ہے، ان کا طریق کار انتہائی جاہلانہ و ظالمانہ ہے۔ جس پر ضد و عناد و بے تہمتی کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ نتیجتاً قبول حق و ہدایت کے امکانات موہوم ہو گئے ہیں۔ عوام الناس کے دین اور علم و دین سے دوری نے اس کو مزید تقویت پہنچائی ہے۔ حال ہی میں ہمارا ٹیبل ناؤ کا سفر ہوا وہاں باوثوق ذرائع سے ایک ٹیبل پوسٹر ملا جس کی بابت معلوم ہوا کہ یہ "دو ڈاکو ابوریہ و بخاری" کے نام سے منظرین حدیث کی جانب سے چھاپا گیا ہے۔ جس کے بدقسمت ناشرین نے دین میں قرآن کریم کے علاوہ احادیث شریفہ کو بھی شامل کر کے ایک نیا دین وضع کرنے کا ان حضرات — رضی اللہ عنہما وفعنا بہما — پر الزام لگایا ہے۔ یعنی زبانی بے ہودگیوں سے بات آگے بڑھ کر تحریر و تصنیف تک پہنچ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ ملت پر بہت ہی برا وقت آپڑا ہے۔ باطل کے چوکھی حملوں کا علماء کرام کو سامنا ہے اور انھیں تمام ہی محاذوں پر کام کے لئے کمر بستہ ہو جانا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں عوام و علماء میں بیداری مہم کے طور پر ۲۶ اگست ۲۰۰۰ کو قتل ناؤ کے قصبہ "میل و شادرم" میں واقع مدرسہ مفتاح العلوم میں ایک تربیتی کیمپ منعقد کیا گیا تھا۔ راقم الحروف کو بھی ازراہ حسن ظن اس پروگرام میں مدعو کیا گیا تھا۔ راقم نے اس اجلاس میں جو مختصر ماقالہ انتہائی جگت میں مرتب کر کے پیش کیا تھا وہ ہدیہ ناظرین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے نفع کو اپنے کرم سے عام و تمام فرمائے۔ آمین

محمد عبدالقوی

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده و نصلي و نسلم على رسوله الكريم

قال الله تبارك و تعالی و ما ارسلنا من رسل الا ليطاع باذن الله

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قیل و من ابی

یا رسول اللہ قال من اطاعنی دخل الجنة و من عصانی فقد ابی

محترم علماء کرام اور قابل قدر طلبہ علم دین!

اسلام کیا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام قرآن و سنت کے مجموعہ کا نام ہے۔ اسی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایمان والوں کے اوپر لازم و واجب ہے۔ ہمارے علماء و فقہاء نے اصول کی کتابوں میں اس کی صراحت کی ہے اور اس پر قرآن و حدیث کی بے شمار آیات و روایات شاہد ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے مخاطب حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک امت باجماع و اتفاق اسے اپنا عقیدہ اور اس کے انکار کرنے والے کو قرآن و حدیث کا منکر اور خارج از اسلام یقین کرتی آئی ہے۔

نبی کون ہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور سب سے آخری رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اپنی سب سے آخری کتاب قرآن مجید اتاری ہے اور قرآن کریم آپؐ کے رسول الہی ہونے کی تصدیق کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، بغیر رسول پر ایمان کے معتبر نہیں اور اللہ



تعالیٰ کی اطاعت بغیر رسول کی اطاعت کے قابل قبول نہیں۔ رسول کو ایسی کچھ بجا جاتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ صرف اس لئے نہیں کہ پیغام رسائی کر کے اللہ اور بندوں کے درمیان سے ہٹ جائے۔ یا عین حیات بندوں پر امامت و حکومت کر کے وفات کے بعد اپنی اطاعت کے حق سے محروم ہو جائے۔ بلکہ نبی اور رسول خاص اسلامی اصطلاح اور مناسب ہیں۔ منجانب اللہ ان کی ذمہ داریاں یہ ہوتی ہیں۔

نبی کی چند اہم ذمہ داریاں

(۱) اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچانا۔

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ بِآيَاتِهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجئے) مَا عَلَى الرُّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (رسول کے ذمہ تو بس بلاغ مبین ہے) اس پیغام کی تشریح و تفسیر کرنا۔

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ أُنْزِلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو جو نازل ہوا ہے کھول کھول کر بتا دیں) اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اس پیغام پر عمل کرنا۔

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا (پھر ہم نے آپ کو ایک خاص طریقہ پر کر دیا پس آپ اس طریقہ ہی کا اتباع کیجئے) اَتَّبِعْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کیجئے)

(۴) اللہ کے کلام کو پڑھ کر سنانا، قرآن کریم اور حکمت (وہی غیر مکتوب) کی تعلیم دینا اور عقیدہ و عمل کو منشاء الہی کے مطابق ظاہر و باکیزہ بنانا۔

کَمَا قَالَ تَعَالَىٰ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (جس طرح ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہیں

(گناہوں سے) پاک کرتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں (اور اس کے علاوہ) جو تم نہیں جانتے تھے وہ بھی سکھاتے ہیں)

(۵) اُمت کو اپنی اتباع و اطاعت کی دعوت دینا

اَتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (اے لوگو! جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کی اتباع کرو)

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي (آپ کہہ دیجئے! اگر تم لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو)

هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ (یہ میرا راستہ سیدھا ہے پس تم اس کی اتباع کرو)

(۶) لال و حرام کی تعیین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرنا

يَا مَعْزِفُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (وہ) نبی (تم کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں بری باتوں سے روکتے ہیں پاکیزہ چیزیں حلال قرار دیتے ہیں اور گندی چیزیں کو حرام قرار دیتے ہیں)

مذکورہ بالا چند آیات سے معلوم ہو گیا کہ رسول کی حیثیت بعض کسی پیغام رساں اور ڈاکہ کی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین پر اس کے منشاء و امر کو نافذ کرنے والے خلیفہ کی حیثیت ہے۔

نبی قرآن کی نظر میں

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر و باطن کا کل و مکمل بنایا۔ اِنَّكَ لَسَلٰى لَخَلْقِ عَظِيمٍ (۱) فرما کر آپ کی فکر و نظر علم و عمل اور دیانت و امانت وغیرہ تمام صفات و اوصاف کو سد کمال و اعتبار بنا دیا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۲) فرما کر پوری زندگی کی ہر حرکت و سکون پر ہمیں تصدیق و تہنیت فرمادی۔ مَا يَسْطِيقُ عَنْ الْفَوَاحِشِ اِنَّ هُوَ اَلَا وَحْشٍ يُّبْخِشُ (۳) فرما کر آپ کی زبان مبارک سے صادر ہونے والے تمام کلمات کو صحت و صداقت کی ضمانت عطا کی۔ اِنَّ الدِّينَ يَبْاِغُوكَ اِنَّمَا يَبْاِغُوكَ اللّٰهُ (۴) فرما کر آپ کی بیعت کو اپنی بیعت



مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۵) کے ذریعہ آپ کی اطاعت کو بلاشبہ اپنی اطاعت  
مُتَارِقِينَ أَفْرَقْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَحِيمٌ (۶) فرما کر آپ کے عمل و ایمان اور آپ کی زبان سے  
فَاتَّبِعُوا نَبِيَّكُمْ اللَّهُ يَرْسُلَ لَكُمْ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ  
رسول اسی لئے بھیجے جاتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔  
مَا أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُلٍ إِلَّا لِيُطِيعُوا بِإِذْنِ اللَّهِ (۷) آپ کی اطاعت کو بندوں پر فرض فرمایا۔ بِإِذْنِهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (۸) آپ کے ساتھ برابری اور عامیہ سلوک کرنے  
کو احترام اور آپ کے مرتبہ کے احترام کو فرض قرار دیا۔ مِثْلًا النَّبِيِّ أُولَىٰ بِالسُّلُوفِ مِنْ  
أَنْفُسِهِمْ (۹) لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (۱۰) لَا تَجْهَرُوا لِلَّهِ  
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (۱۱) لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (۱۲) وغیرہ

بہر حال ان تمام آیات قرآنی کی روشنی میں ہمیں یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ نبی صرف  
”پیغام رساں“ یا ”مرکز ملت“ یا ”امام وقت“ نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب  
الاتباع ہادی و رہبر ہوتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان کے بغیر اپنے اوپر ایمان و ایمان کی  
اطاعت کے بغیر اپنی اطاعت کو ناقص و نامکمل اور غیر معتبر قرار دیا ہے اور جس طرح اپنی کتاب کے  
بارے میں اِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلْبَیِّنَاتِ اَقْوَمُ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں  
اِنَّكَ لَتَهْدِي اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ فرمایا اسی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ  
یہی ہے کہ دین قرآن و حدیث کے مجموعہ کا نام ہے۔ قرآن و حدیث کے درمیان وہی نسبت ہے جو  
قلب کو قلب سے اور جسم کو جان سے ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں۔ دونوں کو  
ایک دوسرے سے جدا کر کے مذہب اسلام اور دین حق کا تصور باطل ہے۔

نبی کی جاہلانہ تعریف

لیکن امت میں ہر زمانہ کے اندر ایسے گمراہ طبقات وجود میں آتے رہے ہیں جو مفادات  
حاصلہ یا عقل و رائے کے شکار ہو کر امت کے سوا او اعظم سے خروج اور اپنے لئے دیرالہ اندیش کی  
علاجہ مسجد تعمیر کرتے ہیں اور جب دشمنان اسلام کو ایسی کسی شخصیت یا طبقہ کا پتہ چل جاتا ہے تو وہ

لوگ فوراً ان مسلوب التوفیق و محروم الہدایت افراد کے دامنوں اور دلوں میں اپنا جال پھینک کر انہیں  
اپنے قابو میں کر لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات  
کے کتاب اللہ کو سمجھنے اور اس پر صحیح معنوں میں عمل کے لئے ضروری ہونے کے سلسلہ میں کچھ ایسے  
لوگ امت میں پیدا ہو گئے، جو محض اپنی عقل و رائے کی بنیاد پر بلا کسی شرعی دلیل کے یہ کہنے لگے کہ  
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان بس ایک قاصدہ  
پیغام رساں کی ہے اور ان کی اتباع من حیث الرسول واجب نہیں۔ یہ حیثیت امام یا بہ حیثیت مرکز  
ملت واجب ہے وہ بھی صرف عین حیات، اس لئے کہ (بزعم خویش) ”اطاعت“ زندگی  
فرمانبرداری کو کہا جاتا ہے اور جب ان کا وصال ہو گیا تو اب ”اطاعت“ کے امر کو پورا کرنے کی کوئی  
صورت نہیں ہے۔

كما هو المستفاد من افكارهم المطبوعه واقرالهم المسموعه والعياذ بالله  
من هذه الضلالة والجهالة  
تاریخ انکار حدیث

علامہ بدر عالم میرٹھی نے صراحت فرمائی ہے کہ انکار حدیث کا فتنہ پہلی صدی ہجری کے بعد  
کی پیداوار ہے۔ محقر لہ اس کے بانی ہیں۔ موجودہ صورت شکل سے کوئی کفر اس درخت کی  
جڑ ہی کمر اور فرقہ میں نظر آتی ہے۔ ان سے قبل تمام مسلمان بالاتفاق احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم  
کو حجت شرعیہ اور اصل دین تسلیم کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ردافض، خوارج اور قدریہ جیسے فرقوں کو بھی اس  
سے اختلاف نہ تھا۔

اس باطل نظریہ کی منہ کنی و تردید کا باقاعدہ کام سب سے قبل سیدنا الامام الشافعیؒ نے فرمایا  
پھر امام احمد ابن حنبلؒ، حافظ ابن قیمؒ، امام غزالیؒ، ابن حزمؒ اور حافظ محمد ابراہیم وزیرؒ، حافظ جلال  
الدین السیوطیؒ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس بے سرو پا خیال کا مضبوط رد اور اطاعت رسول کی واجبیت و  
اہمیت کا مستند اثبات کیا۔ اسی طرح بعد کے دور کے علماء میں ہمارے علماء و پو بند نے بھی ان تحریکوں  
کا زبردست تعاقب کیا ہے۔ چنانچہ مولانا مناظر حسین گیلانیؒ کی ”تدوین حدیث“، علامہ حبیب



الرحمن اعظمی کی "نصرۃ الحدیث"، مولانا تقی عثمانی کی "تبیہ حدیث"، مولانا رفیع عثمانی کی "مستابح حدیث"، مولانا اناور لیس کا "مدحہ حلوئی کی" "حیث حدیث"، بیسی مستقل تصنیفات منظر عام پر آچکی ہیں۔ نیز مولانا احمد رضا بجنوری نے "مشکلات القرآن" کے مقدمہ میں، مولانا بدیع عالم میرٹھی نے "ترجمان السنہ" میں اور دیگر اساتذہ حدیث نے اپنے "دروس و مشروحات" میں منمناس مسئلہ پر مختصر مگر مکمل و شافی کلام کیا ہے۔ اس طرح کہ کسی متلاشی حق کو مزید تحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ معقولہ چوں کہ اچھی معلومات اور خاصا علم رکھتے تھے۔ اس لئے اپنے پیدا کردہ اس جہاں نہ فتنہ گزیر یا دہناہوت سکے اور انکار حدیث کی توجہات و تاویلات کر کے اپنا کام چلاتے رہے۔ ادھر امت میں خیر کے غالب ہونے اور علم و عمل اور علماء سے رہنما کا عام رواج ہونے اور اس فرقہ کے بذات خود اہلسنت والجماعت سے خارج ہونے کی وجہ سے امت ان کے ان خیالات سے بفضلہ تعالیٰ متاثر نہ ہوئی۔

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں :

"بیسویں صدی کے آغاز میں جب مغربی اقوام کا سیاسی نظریاتی تسلط بڑھا تو کم علم مسلمانوں کا ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بے حد معروب تھا و یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ترقی یافتہ "تخلیہ مغرب" کے حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ کہ اسلام کے احکام "تخلیہ مغرب" کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اس لئے اس نے اسلام کو مغربی افکار کے مطابق بنانے کے لئے تحریف کا سلسلہ شروع کیا۔ کیوں کہ احادیث زندگی کے تمام شعبوں کو شامل ہیں امت کو اپنا پابند بناتی ہیں۔ پھر مغربی افکار سے متصادم بھی ہیں تو مغرب زدہ طبقہ نے اس کو اپنی من مانی و آزادی کی راہ سے بنانا ضروری سمجھا۔ اس کار کے لئے کام کرنے ہندوستان میں سرسید احمد خاں اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی، مصر میں ڈاکٹر طحسین، ترکی میں ضیاء گوکا لپ بنیادی طور پر مصروف ہیں۔ گوکہ ان لوگوں نے احادیث شریفہ کا انکار نہیں کیا، لیکن تدریجی طریقہ کار کے طور پر عملی انکار ہی کے مرتکب ہوئے۔"

پھر اس نظریہ کو کسی قدر منظم طور سے عبداللہ چکڑاوی نے "اہل قرآن" کے نام سے ایک فرقہ قائم کر کے پروان چڑھایا جس کا مقصد حدیث کا مطلق انکار تھا۔ پھر اسلم جبر انچوری نے انکار مطلق کے نظریہ سے ہٹ کر اپنی طرف سے اس کو مزید ترقی دی۔ اس کے بعد جب غلام احمد پرویز نے اس نظریہ کی باگ ڈور سنبھالی تو "طلوع اسلام" کے نام سے اس نظریہ کو ایک منظم اور باقاعدہ نظریہ و جماعت کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ زبان و قلم کے ذریعہ بحث و مباحثہ کا دروازہ کھلا۔ آزادی و امن مانی کو پسند کرنے والے طبقہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی ہی مدت میں یہ نظریہ ایک مستقل نظریہ اور دعوت کی حیثیت سے پروان چڑھ گیا۔ جس تیزی سے عوام الناس میں علم دین اور بنیادی اسلامی معلومات کی کمی ہوتی جا رہی ہے اسی رفتار سے اس تحریک کو دن بدن ترقی ملتی جا رہی ہے۔ کم علم بلکہ دین کی حد تک بے علم لوگ چند آیات و احادیث کو لے کر بے بنیاد دعویٰ اور نامعقول دلائل بلکہ انتہائی سطحی باتوں کے ذریعہ عوام الناس بالخصوص دین سے دور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنے گمراہ کن خیالات کا حامی بنانے میں مشغول ہیں۔

پاکستان (جو تقریباً تمام گمراہ فرقوں کا گڑھ ہے) اس میں تو زور و شور سے ان کا کام جاری ہے۔ اتفاقی سے اصر قریب عرصہ میں انہیں بعض جدید اہل علم و صاحب زبان و قلم لوگ اہلسنت والجماعت سے ہاتھ لگ گئے ہیں مثلاً علامہ تنہا عیادی پھلوری، حبیب الرحمن کاندھلوی۔ یہ حضرات پہلے اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے پھر شامت اعمال اور شوخی قسمت سے اس گڑھے میں جا گرے۔ انھوں نے اپنی تمام تر علمی صلاحیتوں کو اس فتنہ کی آبیاری اور اس نظریہ کی ترقی و اشاعت پر صرف کیا۔ متعدد تصانیف ان کے قلم سے منصہ شہود پر آئیں۔ جن میں علمی خیانتوں کے ایک خاص طریقہ کار کے ذریعہ احادیث شریفہ اور حضرات محدثین کرام کے تیرہ سو سال اعتبار و اعتماد کو مجروح کرنے کی مذموم سعی اور ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب — واللہ اعلم بحقیقۃ الحال — جانتے بوجھتے اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا ہے اور جس شوخ اور بے ادب زبان و قلم کو استعمال کیا گیا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ جس طرح ان کے خیال کیے جاتے کہ یہ تہ جرح و تعدیل کے الفاظ ہیں اس لئے کہ اسامہ الرجاں ایک مستقل فن ہے اور اس کا اپنا



مشرکین قرآن کریم کو "اساطیر الاولین" سے زیادہ ماننے کو تیار نہیں تھے۔ یہ حضرات احادیث مبارکہ کے لئے "مذہبی داستانوں" اور "من گھڑت کہانیوں" سے زیادہ الفاظ استعمال کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔

منکرین حدیث کے دعاوی

اس گمراہ فرقہ کے دعاوی جیسا کہ عرض کیا گیا، متفرق و منتشر ہیں۔ ان کی کوئی ایسی کتاب نظر سے نہیں گذری جو اس فرقہ کے بنیادی عقائد و نظریات کو واضح کر سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ یہ فرقہ مکمل کر مسلمانوں کا سامنا کبھی بھی نہ کر سکا۔ دینی زبان اور محتاط اسلوب میں اپنے مضامین اور خیالات کے درمیان کچھ ایسی باتوں کو ظاہر کر دیا کرتے ہیں جس سے ان احادیث کا ضعیف یا موضوع ہونا یا اس کے مفہوم و مطلب کا مشکل و متضاد ہونا ظاہر ہو۔ اس کے لئے مختلف مصنفین مختلف باتیں کہا کرتے ہیں۔ البتہ ان سب میں قدر مشترک احادیث شریفہ کی معروف حیثیت کو کمزور کرنا اور اس سے کسی طرح جان چھڑانا ہوتا ہے۔ اس لئے اب تک جو تصنیفات و رسائل منظر عام پر آسکی ہیں وہ کسی حدیث یا کسی جزوی مسئلہ کی تحقیق کے زیر عنوان ہیں، مثلاً حضرت عائشہ کی عمر بوقت نکاح، شب برأت کی حقیقت، سماع موتی، عذاب قبر، اختلاف امت والی روایت کی تحقیق، موضوع احادیث، امام زہری اور امام طبری کے مسلک کی تحقیق اور رد افض سے متعلق چند عنوانات وغیرہ، البتہ یہ حیثیت مجموعی ان کے جو دعاوی ان کی تصنیفات سے مستفاد ہوتے ہیں۔ یا بوقت گفتگو جن کا اظہار ہوتا ہے وہ اس طرح ہیں :

(۱) قرآن کریم ہی اللہ تعالیٰ کی ایک محفوظ کتاب ہے اور تمام جزئیات و کلیات کو شامل ہے، بندے صرف اس کتاب کی اتباع کے پابند ہیں۔

(۲) دین کی بنیاد ظن پر قائم نہیں کی جاسکتی اور احادیث کا پورا ذخیرہ ظنی ہے، اس لئے ان کی

موضوع اور اپنی زبان ہے۔ جس کی نزد میں بسا اوقات بڑے بڑے علماء آتے ہیں اور زبان میں اس کو من و من تر جہ سے نہ حقیقت کی ترجمانی ہوتی ہے اور نہ ہی اردو ادب اس کا تحمل ہے۔ ان ہی الفاظ بروج کو بوقت ضرورت ہمارے علماء نے بھی اردو کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن تعبیر میں فرق ہے۔

اتباع ذرست نہیں ہے (اس سلسلہ میں پھر ان کی مختلف فکریں ہیں)

(۳) آپ کی اطاعت مرکز ملت کی حیثیت سے واجب تھی من حیث الرسالہ نہیں تھی یا صرف آپ کے اسوہ کا اتباع واجب ہے اقوال کا نہیں۔

(۴) بہت سی احادیث قرآن کے خلاف ہیں، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع ہیں اور یہ کہ محدثین خود اکثر ناقابل اعتبار ہیں۔

(۵) احادیث تیسری صدی میں لکھی گئی ہیں اور وہ بھی یادداشت کی بنیاد پر اس لئے ان کا اعتبار مشکوک ہو گیا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سی جزئیات ہیں لیکن وہ دراصل ان مفروضات کے اعتقاد کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہیں، اس لئے اس وقت صرف ان کا جائزہ لے لینا کافی ہوگا، اس لئے ہم ذیل میں ان میں سے ہر ایک دعوے کا حقیقی چہرہ قرآن کریم ہی کی روشنی میں دکھانے کی حتی المقدور کوشش کریں گے۔ وبالله التوفیق

ان دعاوی کا مختصر تجزیہ

جہاں تک قرآن کریم کی جامعیت کا تعلق ہے تو اہل سنت والجماعت بھی اس کے قائل ہیں مگر اس تفصیل کے ساتھ کہ بلاشبہ قرآن کریم ایک جامع ترین کتاب ہے اور وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں میں بندہ کی بنیادی راہنمائی کے لئے کافی ہے مگر وہ اشارہ کی زبان ہے۔ اکثر کلی احکام پر اکتفا کرتی ہے گو کہیں کہیں جزئیات کا ذکر بھی آگیا ہے تاہم وہ جزئیہ بھی غور کیا جائے تو فی الحقیقت ایک کلیہ ہی ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ کے مضامین صرف اصول اور احکام پر مبنی ہیں۔ جن کی تشریح، صراحت اور عملی شکل واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے مضاف سے واقف اور اس کے ساتھ رشتہ وحی کی حامل کسی ہستی کا ہونا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی سنت ہمیشہ یہی رہی کہ انبیاء، بغیر کتابوں کے بھی بھیجے گئے مگر کبھی کوئی کتاب بغیر نبی کے نہیں بھیجی گئی۔

(۱) پہلے دعوے کا جواب

(الف) اگر نبی ﷺ کی تشریح کی ضرورت قرآن فہمی کے سلسلہ میں نہ ہوتی تو قرآن میں



آپ کو لپٹیں لٹائیں فرما کر قرآن کریم کی تشریح کی ذمہ داری کیوں سونپی گئی۔ عام انسانوں کو خود ہی سمجھ لینے کا اختیار کیوں نہ دیا گیا۔ جب کہ کفار اس کا مطالبہ بھی کر رہے تھے حَتَّىٰ تَسْمَعُوا عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُہُ یعنی ہم اس وقت تک آپ کی بات نہ مانیں گے جب تک کہ خود ہم پر کوئی کتاب نازل نہ ہو جائے جسے ہم خود پڑھیں اور وَلَقَدْ نَسَرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ اور بِنِائِنَا لِكُلِّ فَصِيحٍ جیسے آیات کا مطلب وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں کہ قرآن کے ہر مضمون کو ہر عامی و جاہل باسانی سمجھ سکتا ہے اور یہ کہ قرآن میں تمام مسائل کا بیان موجود ہے اس کے لئے کسی شارح کی ضرورت نہیں تو پھر دونوں آیتوں میں تضاد ہوگا یعنی ایک آیت میں فرمایا گیا کہ قرآن بہت آسان ہے دوسری میں ارشاد ہے کہ اسے نبی! آپ قرآن کریم میں کیا نازل ہوا ہے امت کو سمجھائے۔ جس کا مطلب یہ کہ قرآن کریم آسان بھی ہے مشکل بھی ہے ظاہر ہے کہ دونوں آیتوں میں اختلاف ہے اور قرآن کہتا ہے لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا یعنی اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلافات پاتے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن میں اختلاف نہیں ہے۔ اس جگہ لازمًا آپ کو ان آیات کی تاویل کچھ نہ کچھ کرنی پڑے گی اور آپ کرتے ہی ہیں۔ اس صورت میں سوال پیدا ہوگا کہ اگر آپ کو تاویل و تفسیر کا حق حاصل ہے تو پھر رسول کو کیوں نہیں ہے؟ پھر اگر ایک تاویل آپ کریں، ایک تاویل نبی کریں تو اطاعت و قبولیت کے لائق آپ کی تاویل باطل ہوگی یا نبی کی تشریح حق؟

(ب) نبی کی تشریحات سے بے نیاز ہو کر صرف قرآن کریم سے دین کے احکام کی تکمیل ممکن بھی نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں بہت سی آیات مجمل اور مبہم ہیں، جن کی تشریح اگر نبی ﷺ نہ کر دیتے، یا ہم اسے قبول نہ کریں تو ان پر عمل کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اگر لغت اور عربیت کی مدد سے ان کے مفہوم و معنی کو متعین کرنا چاہیں گے تو دین ایک مضحکہ خیز تکمیل تلاش کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہے گا۔ دیکھئے قرآن کریم نے ”الصلوٰۃ“ کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ صلوٰۃ لغت میں رحمت، دعا وغیرہ کے ساتھ ساتھ ”التحرک المصلوین“ یعنی سرینوں کو حرکت دینے کو بھی کہتے ہیں، اب اگر کوئی سر پھر اٹھا کر تھیں کرنے کا نام ”الصلوٰۃ“ رکھنا چاہے تو قرآن کریم میں وہ کوئی دلیل ہے جس

سے آپ اس کو یہ باور کرا دیں کہ ”الصلوٰۃ“ کے یہ ہے ہودہ معنی لینا ظلم ہے اور اسلام میں صلوٰۃ ایک مخصوص طریقہ عبادت کا نام ہے؟ اسی طرح قرآن کریم میں ”الزکوٰۃ“ کی ادائیگی کا حکم ہے، لغت تو اس کے معنی صفائی پاکیزگی وغیرہ کے بیان کرتی ہے، اگر کوئی مال دار اپنے مال کو حدود حلالہ کر صاف کر لے اور اس حکم پر عمل کا مدعی ہو جائے تو آپ کے نزدیک کس طرح اس کو اس سے روکا جاسکتا ہے، اور وہ کوئی آیت ہے جو صراحتاً یہ بتلائے کہ ”الزکوٰۃ“ کے کیا معنی ہیں؟ اسی طرح ”الصوم“، ”الآخر“، ”الحج“ وغیرہ بے شمار احکام ہیں جس کی اتنی شکلیں اپنی اپنی عقلاؤں سے وجود میں آجائیں گی کہ مذہب ایک مذاق بن کر رہ جائے گا۔ چنانچہ خود صحابہ کرام صاحب زبان ہونے کے باوجود بہت سے احکام کو الفاظ کے ظاہر سے صحیح نہ سمجھ سکے۔ پھر اسی طرح بعض دفعہ اس کے الفاظ کو تو سمجھ گئے مگر اس پر عمل کی صورت اور اللہ تعالیٰ کی صحیح مراد کو سمجھنے سے عاجز ہو گئے، نبی ﷺ سے رجوع ہونے اور تحقیق کی تو آپ کے ذریعہ صحیح صورت حال کا انھیں علم ہوا، جس کا ثبوت خود قرآن کریم میں موجود ہے، حافظ ابن قیم نے سینکڑوں سوال و جواب اس قسم کے اپنی کتاب ”اعلام الموقعین“ میں نمونہ جمع کئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اولین و عظمین قرآن یعنی صحابہ کرام کو بھی بعض جگہ اشتباہ ہوتا تھا اور نبی کی تشریح کے بغیر صحیح مراد تک پہنچ نہیں پاتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ بقول آپ کے پورے قرآن کریم کو آج ہر کوئی سمجھ سکتا اور عمل کر سکتا ہے تو صحابہ خود کیوں نہیں سمجھ کر عمل کر لیتے تھے اور نبی سے سمجھنے کی کیوں ضرورت پیش آتی تھی؟ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے احکام پر عمل کی صورتیں نبی پر وحی کی جاتی تھیں جس کو نبی قولاً و فعلاً اپنی امت کے سامنے پیش کرتے تھے۔ انہی اقوال و اعمال کے مجموعہ کو حدیث کہا جاتا ہے، اب ان کا انکار کر کے قرآن پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔

(ج) قرآن کریم میں ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بَأْذَنِهِ مَا يَشَاءُ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ کے نبی کے ساتھ بات کرنے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں: (۱) وحی (۲) پس پردہ خطاب (۳) بذریعہ قاصد پیغام رسانی، قرآن کریم بالاتفاق تیسری صورت کے ذریعہ پہنچا ہے، پہلی دو صورتوں کے



ذریعہ اللہ پاک نے اپنے نبی کے ساتھ جو کلام فرمایا ہے وہ وحی آخر کہاں ہے؟ اور اس پر عمل کے ضروری ہونے سے اسٹکی کس دلیل سے ہے؟

(د) قرآن کریم میں بہت سی ایسی باتوں کا حوالہ ہے جو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ مثلاً: **فَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا / عَلِمَ اللَّهُ أَنْكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَلَوْنَ أَنْفُسَكُمْ** وغیرہ ان احکام پر نبی اور صحابہ کا عمل تھا، جب یہ احکام قرآن میں نہیں ہیں تو وہ صحابہ کرام کو کس طرح معلوم ہوئے تھے اور انھوں نے اس پر عمل کیسے کیا؟ معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی جامعیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندگی کا ہر مسئلہ اس کے اندر صراحتاً بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی کرتا ہے تو یہ ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، نہ عقلی نہ نقلی۔ مذکورہ آیات اور ان جیسی بہت سے آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے احکام نبی نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کو ایسے بھی دیئے جن کا کوئی ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے۔ پھر محض قرآن کریم پر عمل کر لینا اور احادیث رسول کو ترک کر دینا کیسے کافی ہو سکتا ہے؟

(ه) خود قرآن کریم نے **مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَنْقَضَتْكُمْ عَنْهُ فَأَتُوهُ** یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم تم کو دیں تو اسے لے لو اور جس کام سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ** یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی بھی اطاعت کرو۔ **إِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ** یعنی اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو تو اپنے اختلافات اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو (پھر جو حکم ملے اس پر عمل کر لو)۔ **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُخَاجِبُوكَ فِي مَا بَنَدُوا لَكَ** آپ کے رب کی قسم! کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے اختلافات کو آپ کی خدمت میں پیش نہ کر دے پھر آپ کے فیصلہ پر تسلیم غم نہ کر دے وغیرہ۔ بہت سی آیات میں نبی کی اطاعت کا صریح حکم دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ”منکر حدیث“ سب سے پہلے ”منکر قرآن“ ہوتا ہے، پھر منکر حدیث۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی عامل بالقرآن منکر حدیث نہیں ہو سکتا اور کوئی منکر حدیث عامل بالقرآن نہیں ہو سکتا۔

(۲) دوسرے دعوے کا جواب

یہ کہنا کہ احادیث نقلی الثبوت ہیں اس لئے اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

(الف) یہ کیسے پتہ چلا کہ قرآن قطعی الثبوت ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے آیت **إِنَّمَا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** یعنی ہم نے ہی قرآن اُتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں، کے ذریعہ وعدہ کیا ہے تو پھر حدیث شریف کی حفاظت کا بھی اس میں وعدہ نقل آیا، اس لئے کہ قرآن محض الفاظ یا محض معنی کو نہیں کہا جاتا بلکہ ”لفظ و معنی“ دونوں کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ”ذکر“ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تو ”بیان ذکر“ کی حفاظت خود اس میں شامل ہو گئی۔ جب کہ دوسری آیات میں یہ بات اور بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ نیز اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت منزل من اللہ ہی ہے درمیانی لوگوں کا اضافہ نہیں ہے!

(ب) پھر حفاظت قرآن والی آیت جس ترتیب اور جن ذریعوں سے ہم تک پہنچی ہے اسی ترتیب اور اسی ذریعہ سے احادیث رسول بھی پہنچے ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شخص دو باتیں ایک کو قرآن کے نام سے دوسری کو حدیث کے نام سے بیان کرتا ہے تو آپ کہیں کہ آیت پانچاٹھ میں تو یہ شخص معتبر ہے، مگر حدیث پانچاٹھ میں اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ کیا عقل و خرد اس ہٹ دھرمی کو تسلیم کر سکتی ہے؟

(ج) قرآن کریم میں ارشاد ہے **لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَنُفْسًا** جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا ہے، دوسری آیت میں ہے **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ** اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، ادھر

۱۔ ناظرین کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ محض الزامی سوال ہے، ہمیں بفضل اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے قطعی الثبوت ہونے پر ذرہ برابر شبہ نہیں ہے، بلکہ یقین و افاق ہے، مگر یہ سوال ان لوگوں سے اس لئے ہے کہ وہ اس واسطے کو ماننے ہی نہیں جس سے قرآن ہم تک پہنچا ہے۔



بقول مفسرین حدیث اللہ تعالیٰ نے حفاظت حدیث کی نہ کوئی ذمہ داری لی ہے اور نہ اس کا کوئی انتظام کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف بنانے کے ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ آپ بتلائیں کہ حفاظت حدیث کا انکار کر کے آپ اللہ تعالیٰ پر ظلم و کذب کا التزام نہیں لگا رہے ہیں؟

(۳) تیسرے دعوے کا جواب

اطاعت رسول سے متعلق آیات میں یہ تاویل کرنا کہ ”آپ کی اطاعت مرکز ملت کی حیثیت سے واجب تھی“ محض ایک دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

(الف) اگر اَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ میں اطاعت مطلق کی۔ جو تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ بلا دلیل تاویل کی جاسکتی ہے تو امِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ کی بھی کی جاسکتی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں رسول پر بحیثیت حاکم اور مرکز ملت کے ایمان لاتا ہوں ”من حیث الرسول“ نہیں لاتا تو کیا آپ اس کو تسلیم کر لیں گے؟ اور ہو سکتا ہے آپ اپنی بات رکھنے کو تسلیم بھی کر لیں مگر کیا اس کا کوئی جواز قرآن کریم سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ پس جس طرح ”ایمان بالرسول“ کے معنی من حیث الرسول آپ کو ماننے کے ہیں، اسی طرح اطاعت رسول کے معنی بھی من حیث الرسول فرماں برداری کے ہوں گے۔

(ب) نیز علماء نے صراحت کی ہے کہ جب کسی اسم مشتق پر کوئی حکم لگایا جائے تو مادہ اشتقاق اس حکم کی علت ہوگا۔ پس جس طرح عربی کے جملہ ”احکرم العالم“ کا مطلب ”حکم کی وجہ سے عالم کا اکرام کرو“ لیا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح ”اطِيعُوا الرَّسُولَ“ کا مطلب ”رسالت کی بنیاد پر رسول کی اطاعت کرو“ ہوگا۔

(ج) اس کے علاوہ یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ رسول کی رسول ہونے کی حیثیت اور ہے حاکم ہونے کی اور، حاکم ہونے کے لئے رسول ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ قیامت تک حکام اور ائمہ ہو سکتے ہیں لیکن ان کی حیثیت، مقام، ادب و احترام کیا وہی ہو سکتا ہے جو رسول کا ہوتا ہے اور جس کا قرآن نے امت کو پابند کیا ہے؟

(د) پھر رسول کو رسول ہونے کی حیثیت سے ماننا اور مرکز ملت ہونے کی حیثیت سے ماننا یہ تقسیم بھی کسی ثبوت قرآن کے بغیر ہے، سوال یہ ہے کہ قرآن کریم جب رسول کو ہیث رسول کے نام اور رسول کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے تو آپ کو کس نے حق دیا ہے کہ آپ اس کی اطاعت مطلقہ کے حکم میں یہ تفریق و تقسیم اپنی عقل و رائے سے کر دیں؟ یہ عجیب مہم ہے کہ آپ کے نزدیک خود رسول تو قرآن کا شارح نہیں ہو سکتا مگر آپ اس کا حق رکھتے ہیں کہ رسول کی حیثیت کو متعین کریں۔

(۴) چوتھے دعوے کا جواب

کوئی ”حدیث صحیح“ قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ جب کوئی حدیث اصولی طور پر محدثین کے نزدیک معتبر ہوگی تو اہل علم کے نزدیک آج تک کبھی وہ قرآن سے متعارض و متضاد نہیں ہوئی۔ خواہ ہادی النظر میں کسی کو ایسا محسوس ہو مگر فی الحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہوتا، اس لئے کہ نبی ﷺ یا تو وحی بات فرماتے ہیں جو قرآن میں ہے یا اس کی تشریح و توضیح فرماتے ہیں یا جو بات قرآن میں نہیں ہے اس کا حکم لما حکمکم بینہم بمأواک اللہ کے حکم مطابق اللہ تعالیٰ کی مدد سے خود بیان کرتے ہیں۔ چونکہ کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ غور کیجئے تو نہ کورہ تینوں صورتوں میں کوئی مہمپاش ہی نہیں ہے کہ آپ کی کوئی تعلیم یا حکم قرآن کریم کے کسی حکم سے متعارض ہو جائے۔ آپ لوگ ایسی جتنی روایات پیش کرتے ہیں علماء اہل سنت و الجماعت کو بیڑہ ہزار برس میں آج تک ان میں قرآن کے ساتھ متعارض نہیں نظر آیا۔ اب چودھویں صدی میں آپ لوگ اپنی عقل و رائے سے زبردستی متعارض پیدا کریں اور دوسرے کی کوئی بات سننے سے اپنے کان بند کر کے اپنی رٹ لگائے جائیں کہ حدیثیں قرآن سے ٹکرا رہی ہیں تو اس نامعقولیت کا کوئی علاج دنیا میں نہیں ہے۔<sup>۱</sup>

(۵) پانچویں دعوے کا جواب

رہی کہار محدثین کے رافضی و بے اعتبار ہونے کی آپ کی اپنی ایج! تو حیرت ہوتی ہے کہ

۱۔ اصل بات جس اس قدر ہے کہ آپ مغربی اقوام کی اسلام دشمنی اور خوناخوار کے اعتراضات سے بے حد متاثر ہیں اور ان کے نام کر دھجھولے الزامات کو رفع کرنے کے لئے اپنے دین کی حقیقتوں کو جھٹلانے کی تپاک مٹی کر رہے ہیں۔ اس سے آپ کی ہدایت تو بھرج رہی ہو سکتی ہے مگر احادیث نبوی کی صداقت و ارجح دار کبھی نہ ہو سکے گی۔



حضرات محدثین کرام کی بہترین، بے مثال اور مخلص جماعت، جو زمین پر گویا اللہ کی ایک آیت و جہت ہے اس جماعت حق پرست پر "عمل بالقرآن" کے مدعیوں نے کس قرآنی اصول کی بناء پر الزام طرازی و بہتان تراشی کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ قرآن نے اپنے مخالفین کو حکم دیا ہے کہ وہ پہنچنے والی خبروں کو بلا تحقیق قبول نہ کریں۔ ان جاء کم فاسق ببا فنبہوا حدیہ ہے کہ وہ قرآن کریم پر بے سوچے سمجھے گروہ پڑنے اور تہذیب سے کام نہ لینے کو بھی ناپسند کیا ہے۔ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخَوُّوا عَلَيْهَا ضِمًّا وَلَا نَغَمًا ۖ اِنَّ آیَاتِ قرآنہ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ حضرات محدثین کرام کے بارے میں بھی تحقیق و جستجو سے کام لے کر فیصلہ کیا جاتا کہ ان کا عقیدہ و مسلک کیا ہے۔ آخر دینہ ہزار برس کے اہل اسلام اور علماء اعلام کوئی نادان بچے تو نہیں ہیں کہ آگے بند کر کے کسی کو مستند و معتبر سمجھتے آرہے ہیں۔ آپ نے کس تحقیق کی بناء پر یہ الزام لگایا ہے؟ "اسماء الرجال" قرآن تو نہیں ہے، محض ایک تاریخ ہی تو ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ حدیث رسول کو جو بے مثال حزم و احتیاط کے ساتھ جمع کی گئی ہیں، تاریخ سے زیادہ اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے اس سے استدلال کو کہانیوں سے استدلال قرار دیتے ہیں۔ لیکن "اسماء الرجال" کو کتاب اللہ کے مرتبہ پر رکھتے ہیں۔ جب کہ آپ اس فن کی حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ اس میں ائمہ فن نے اپنی معلومات کے مطابق رواۃ حدیث کی سیرۃ پر کلام کیا ہے۔ اور پھر وہ خود بھی ایک انسان ہیں، بشری کمزوری و نقائصوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس لئے ہونا تو یہ چاہئے کہ ان کی غالب اکثریت اور جمہوری بیانات کو سامنے رکھ کر کسی راوی کا مرتبہ متعین کیا جائے۔ جیسا کہ "قائمین حدیث" بالخصوص ہم "مقلدین" کرتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم نے تحقیق کا حکم دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ تاریخ رواۃ حدیث کے اس ذخیرہ "اسماء الرجال" کو بحیثیت مجموعی سامنے رکھ کر بلا کسی تعصب و بددیانتی کے جائزہ لیا جائے تو معروف محدثین اور مدونین کی شخصیتیں کامل اعتبار و اعتماد تو پاتی ہیں مگر کسی طرح مجروح و متہم نظر نہیں آتیں۔ ہاں اگر کوئی حدیث رسول کا دشمن ٹھان ہی لے کہ آزاد خیالی اور اسلام دشمنی کی راہ سے حدیثوں کی رکاوٹ کو ختم کر دوں تو چوں کہ تاریخ میں کوئی محدث ایسا نہ ملے گا جس کی بابت کسی کی بھی رائے مخالف نہ ہو اور ان پر کچھ نہ کچھ جرح کے الفاظ

استعمال نہ کئے گئے ہوں تو وہ ان سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن اس طرح محدثین کرام کے اعتبار و اعتماد کو مجروح کرنا اور ان پر وضع یا فرض کی تہمت لگانا انصاف کا خون کرنا ہے۔ حد ہو گئی اس بددیانتی اور ہٹ دھرمی کی کہ اپنے لئے تو کہیں سے بھی بے سرو پا اور من گھڑت کہانیاں وضع کر لینے اور ان کی بنیاد پر کسی بھی محدث و فقیہ کی چکڑی اُٹھالنے رہنے کی گنجائش ہے اور ہمارے لئے یہ پابندی کہ ہم قرآن سے ہٹ کر بات نہ کریں۔ اپنے کو "آپ" دوسرے کو "تو" کا یہ فلسفہ آپ ہی کو مہارگ کسی صاحب علم و سمجھ کے لئے ناقابل قبول ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

(۶) چھٹے دعوے کا جواب

آخری بات یہ کہ "حدیثیں تیسری صدی میں مرتب کی گئی ہیں۔ اس لئے ان کا اعتبار مشکل ہے" تو عرض یہ ہے کہ آپ قرآن کریم سے کوئی دلیل پیش کیجئے کہ احادیث اگر مدون ہوں تو اعتبار کیا جائے ورنہ نہیں۔ اصل مسئلہ یہ تحقیق کرنا ہے کہ ان کی حفاظت ہر دور میں رہی یا نہ رہی۔ وسائل حفاظت تو بدلتے رہیں گے۔ آج حفاظت علم کا ذریعہ جب کمپیوٹر اور سی ڈی بن گئے ہیں تو آپ کی طرح کوئی یہ کہنے لگے کہ چوں کہ قرآن کریم چودھویں صدی کے بعد سی ڈی میں محفوظ کیا گیا ہے اس لئے ہم اس کو وہی قرآن نہیں مانتے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ تو آپ اس کو کیا جواب دیں گے؟ اگر آپ اِنَّا لَہٗ لِحَافِظُوْنَ کے وعدہ سے استدلال کرتے ہیں تو یہ استدلال کامل نہیں اس لئے کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس آیت کے آپ تک پہنچنے کا وہی ذریعہ ہے جو احادیث کے پہنچنے کا ہے آپ کے پاس اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ یہ آیت ان لوگوں نے گڑھ کر قرآن میں داخل نہیں کی بلکہ دینا رسول ہی کی طرف سے پہنچائی ہے۔

انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ قرآن کریم ہو یا حدیث رسول ہم دیکھیں کہ ہر زمانہ کے مروج و معتبر طریقہ حفاظت کے مطابق بتواتر محفوظ رہ کر ہم تک پہنچے یا نہیں؟ پس علماء اسلام ناقابل رد دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ مجدد رسالت میں بالعموم "حفاظت بالعمل" اس کے بعد "حفاظت باللفظ والعمل" کا رواج تھا۔ مسلمانوں نے احادیث مہارگ کو بھی انہی طریقوں سے محفوظ رکھا اور اشتغال و دلچسپی کے ساتھ محفوظ رکھا۔ پھر کتابت کا رواج عام ہوا اور اس کی ضرورت



محسوس کی گئی تو پورے اہتمام اور نادر انتظام سے اس ذریعہ حفاظت کو اختیار کیا گیا۔ پھر اس کی عہد بہ عہد تفصیل و تاریخ بھی آپ کے سامنے رکھ دی، متکلمین اسلام نے حدیث کی حجیت اور حفاظت پر اس قدر کتب لکھ دی ہیں کہ کسی متلاشی حق کے لئے ان میں کسی اضافہ کی ضرورت اب باقی نہیں رہ گئی ہے۔ کوئی بد نصیب شہر و چشم اس روشنی سے آنکھ موندھ کے یہود و نصاریٰ کے قدم بہ قدم چل کر تاریکی میں رہنا چاہتا ہے تو رہا کرے۔ ہمارے لئے ایسے فرد یا طبقوں کا وجود میں آجانا نہ حیرت انگیز ہے نہ پریشان کن۔ اس لئے کہ ہمیں ہمارے نبی نے اس کی خبر بہت پہلے دے دی تھی۔ ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”خبردار! عنقریب ایسا وقت بھی آئے گا کہ کسی شخص کو میری حدیث پہنچے گی وہ اپنے تخت پر (بے نیازی کے ساتھ) ٹیک لگائے بیٹھ کر اس کے جواب میں کہے گا کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ ہم صرف اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھیں گے (کسی اور کے کلام کی ہمیں ضرورت نہیں) خبردار! (اچھی طرح سمجھ لو) مجھے کتاب اللہ بھی دی گئی اس کے ساتھ اتنی ہی مقدار بھی دی گئی ہے (یعنی وحی مقلو کے ساتھ وحی غیر مقلو بھی ہے اور دونوں کے مجموعے سے دین کی تکمیل ہوتی ہے)۔“

مفسرین حدیث کہنے یا اہل القرآن یا کچھ اور یہ وہی طبقہ ہے جو مغرب زدہ ہے اور اسلام دشمن قوتوں کا شکار ہو کر دین اسلام کو اپنی عقل کا تابع اور اپنی عقل کو دین کا مقبول و ماخذ بنائے ہوئے ہے اور کسی ”لبرل اسلام“ Liberal Islam کی تیاری میں مشغول ہے۔ ان کے حق میں سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کا یہ تجزیہ صدیقی صدی صحیح ثابت ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے اعلام ۱/۴۵ میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

”قبضین عقل حدیث کے دشمن ہوا کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں احادیث کا علم حاصل کرنے اور انھیں یاد رکھنے کی توفیق تو ہوتی نہیں اور لوگ سوالات کرتے ہیں تو جواب دیتے بھی نہیں بن پڑتا۔ شرم دامن گیر ہوتی ہے تو

اپنی رائے و عقل سے جواب دیا کرتے ہیں اور عقل سے حدیثوں کا مقابلہ و معارضہ شروع کر دیتے ہیں۔ پس میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ ایسے گمراہ طبقہ سے بچتے رہنا۔“

فاروق اعظمؓ کے اس ”فارق بین الحق والباطل“ تجزیہ پر ہی ہم اپنی بات کو ختم کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہم سب کو صراطِ مستقیم کی توفیق عطا فرمائیں۔

اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه .





# تقلید کی ضرورت اور ترک تقلید کے مضرات

ایک تفصیلی محضرہ

پیش کردہ دراجلاس عام  
مجلس انصار الحق، دہلی، ۱۷ جولائی ۱۹۷۱ء

تقریر

مولانا محمد عبدالقوی

ناشر

ادارۃ اشرف العالم  
حیدرآباد

## احوال واقعی

یہ بہت ہی بڑا المیہ ہے کہ اس زمانہ میں اپنے آپ کو "اہل حدیث" کہلانے والا طبقہ دینی امور میں ہر قسم کے عقلی و فطری اصولوں سے مستغنی، آداب و احترام سے بے نیاز و بے پروا ہو کر اور چند حدیثوں کی معلومات حاصل کر کے علماء کرام اور ائمہ عظام پر کچھ اچھا لے، بدزبانی و سخت کلامی کرنے پر اتر آیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ طبقہ سید المرسلین امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش قیاسی — جس میں آپ نے "قیامت کی ایک نشانی پچھلے لوگوں کا اگلے بزرگوں کو برا بھلا کہنا" بھی قرار دیا ہے — کا صحیح ترین مصداق ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ ان ائمہ کو جن کے علم و فضل، دیانت و امانت اور ورع و تقویٰ پر پوری اُمت کے لاکھوں علماء اور کروڑوں صالحین نے اعتماد کیا اور اس کی شہادت دی۔ کس طرح انھیں قلیل العلم اور بے دیانت قرار دیتے ہیں۔ سچ ہے کہ کسی بندہ کو ہمدی کی ایک گروہل گئی تو وہ اپنے پیساری ہونے کا ڈھنڈورا پیٹنے لگا۔ یہ غیر مقلدین بھی — چند سمجھ دار اور باہم و عمل افراد کو چھوڑ کر — اس بندہ سے کم نہیں۔ ایک طرف تھلید کو "حرام" اور "شرک فی البدیہہ" قرار دیتے ہیں اور دوسری جانب خود مابعدولت کا حال یہ ہے کہ علم کی کل کائنات کسی مترجم کتاب کی "اندھی تھلید" سے زیادہ نہیں۔ ان بیچاروں کو شوق تحقیق اور شان اجتہاد پیدا ہوا ہے تو وقت نکال کر اور قربانی دے کر کچھ علم حاصل کریں۔ اس لائق نہیں کہ حدیث شریف کی کتاب براہ راست اپنے ہاتھ میں لے سکیں اور اصولِ فن کی روشنی میں کسی سے کلام کر سکیں۔ جب بھی بات کرتے ہیں تو یکطرفہ ضد اور خود ساختہ مفروضوں کی بنیاد پر، اور کچھ لکھتے ہیں تو اس طرح کہ اپنی بات کی بھی خود ہی تشریح کرتے ہیں اور دوسروں کے عقدِ مذکور کا مطہوم و مطلب بھی خود ہی گزرتے ہیں تاکہ خود کو برحق اور باقی سب

مسلمانوں کو غلط قرار دے سکیں۔ اس طرح عوام الناس کی سادہ لوحی و کم علمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے "قرآن و سنت" کے نام پر اپنے مسلک و موقف کی تبلیغ کرتے اور اپنے ساتھ ان کے متابع وین کو بھی داؤ پر لگاتے رہتے ہیں۔

بہیں ان لوگوں کے فروعی مسائل میں اختلاف سے کوئی شکایت نہیں۔ اس لئے کہ وہ مسائل ہیں ہی ایسے کہ ان میں ائمہ مجتہدین بلکہ حضرات صحابہ کرام میں بھی تحقیق کا اختلاف ہوا ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنی تحقیق کی بنیاد پر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اختیار کر لیا ہے۔ غیر مقلدین بھی اپنے علماء کی ترجیح کی بنیاد پر کسی ایک پہلو کو اگر اختیار کر لیتے ہیں تو اس کی شکایت کی کوئی وجہ نہیں۔ شکایت صرف اس بات کی ہے کہ تیر حویں صدی کے اواخر میں پیدا ہو کر تیر سو سال کے کروڑوں فرزندانِ اسلام اور علماء کرام کو گمراہ اور مشرک قرار دینے کی مذموم سعی اور ناپاک جدوجہد کیوں کرتے پھرتے ہیں؟ پھر ستم یہ کہ اپنے کو سلفی اور اثری بھی کہتے ہیں۔ آپ سوچئے کہ سلفی سلف کی راہ چلنے اور اتباع کرنے والے کو کہتے ہیں یا سلف کو بدنام کرنے اور بے ہودہ الزامات لگانے والے کو؟ مسلمانوں کے ساتھ ان کا طرزِ سلوک ایسا ہے جیسے کوئی مشرکین کو اسلام کی طرف دعوت دے رہا ہو۔ ان کی گفتگو اور مسلمانوں کے سوا دواغظ کے ساتھ ان کے رویہ سے واضح طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی منہجی بھر جماعت کے علاوہ عالم اسلام میں کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے آج کل عام طور سے ان کا طریق اختلاف اور طرزِ تنقید سوقیانہ اور بازاری قسم کا ہو گیا ہے۔ ان کے عوام اپنے کو وقت کا امام سمجھنے لگے ہیں اور ائمہ و ائمہ، حضرات صحابہ کرام کی مقدس جماعت پر تک بے باکانہ حملہ کرنا "اہل حدیث" ہونے کی علامت اور نشانی سمجھا جانے لگا ہے۔

ان کو اگر ائمہ کرام کی تحقیق پر اطمینان نہ تھا تو وہ اپنی تحقیق پر عمل کر لیتے۔ لیکن انھیں یہ حق کس نے دیا کہ وہ اپنے علاوہ سب کو لحد و گمراہ قرار دے لگیں؟ اور آج کل تو اسلاف و ائمہ پر طعن و لعن اور اب تو "بیسے" کی بات نہیں رہی "معروف بانی صاحب" صاف کہہ رہے ہیں کہ جس طرح نبی ﷺ نے مشرکین کو اسلام کی دعوت دی تھی، اسی طرح ہم مقلدین کو دعوت ایمان دے رہے ہیں۔ موصوف کی کیشیں انہی افواہات سے بھری پائی ہیں۔ اس شخص کے بارے میں تو قدس بذات البغضاء من اهلہم و ماتخلی صلورہم اکبر کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔



تفصیل اور تفصیل و تکفیر کا یہ سلسلہ اسوس تاک بلکہ شرم تاک حد تک بڑھ چکا ہے۔ مگر اس پر بھی اس جماعت کے سربراہ و پیشوا حضرات زبانوں پر مہر سکوت لگا کر اس طرح چپ سادھے بیٹھے ہیں کہ گویا سانپ سونگھ گیا ہو۔<sup>۱</sup> اب یا تو ان کا منشا بھی یہی ہوگا یا پھر حسن ظن سے کام لیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرات ترک تقلید کا مسئلہ اٹھا کر جابلوں کے ہاتھوں میں پہنچا دینے کے بعد صورت حال کو از قابو رفتہ محسوس کر کے بے بس ہو چکے ہیں۔ ورنہ ماضی میں اس جماعت کے ائمہ رایے اصحاب علم موجود تھے جن کی شان علم نے ان پر وقار و تنجیدگی اور دیانت و انصاف پسندی کی چادر اودھادی تھی اور وہ حدود سے نکلنے اور جرأت بے جا سے کام لینے کو نہ صرف یہ کہ ناپسند کرتے بلکہ اپنی قوم کو اس کے انجام بد سے ڈراتے بھی رہتے تھے۔

ہمارے علماء کرام کا یہ طرز امتیاز رہا ہے کہ فروعی مسائل اور ذیلی اختلافات کو لے کر اپنا اور عوام الناس کا وقت خواہ مخواہ ضائع نہ کیا جائے۔ ہاں کبھی ضرورت پیش آئے تو بس ضروری وضاحت پر اکتفا کیا جائے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہمارے علماء کرام کی شان امتیازی ہے کہ جب معاملہ فردوع سے آگے بڑھ کر اصول تک پہنچ جائے اور اختلاف، عداوت و نفسانیت کی شکل اختیار کرنے لگے اور اس کی زد میں امت کا سواد اعظم آجائے۔ جس کی اتباع کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ تو پھر خاموش نہ بیٹھا جائے اور ترکی پر ترکی جواب دیتے ہوئے ہدایت و ضلالت کی حقیقت و اشکاف کر دی جائے۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جب فتنے ظاہر ہو جاویں اور بدعات کا شیوع ہونے لگے تو عالم کو چاہئے کہ علم کو خوب پھیلانے اور جہل کا مقابلہ قوت علم سے کرے۔“ اسی سلسلہ میں شدید ضرورت محسوس ہونے پر احباب کے اصرار سے یہ مضمون لکھا گیا ہے، جو اگلے صفحات میں پیش ہے۔ خدا کرے کہ مفید ثابت ہو۔

۱۔ اکابر جماعت کا حال یہ ہے کہ شیخ الحدیث، عالمی ائمہ اللہ، اکابر علماء دیوبند، بلکہ احمد مجتہدین اور علماء ہاشمی پڑھان و رازی اور ریک مسلموں پر قہر شکنی کرتے رہتے ہیں اور اپنے کارکنان کو حدود اختلاف و اخلاق کی کوئی تلقین نہیں کرتے، لیکن جب گرم کڑھ میں اپنی جماعت کے ایک امیر کے ساتھ بدسلوکی کی خبر پہنچی تو بڑا جھٹکتی ہی ”جوان“ میں اکثریت کی نوازی اور اپنی بے بسی کا ادوا ملچا تا حدود اختلاف کی رعایت کی تعلیم دینا اور صبر کرتے ہوئے نصرت الہی کا انتظار کر لینے کی صوفیانہ باتیں بٹاتا دیا۔ آیہ فیہا للعجب!

## تقلید کی ضرورت

تقلید نہ کرنے کی حضرات و مفادات پر کلام کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم پہلے خود تقلید کی حقیقت کو سمجھ لیں اور اس کو سمجھنے کے لئے ان مقدمات کو بغور ملاحظہ فرمایا جائے۔

(۱) اس میں کسی کو شک نہیں ہے کہ اسلام میں مطلق اتباع و اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ جو شخص ان کے ساتھ اطاعت و مطلقہ میں کسی اور کو شریک کرے تو وہ بالاتفاق اسلام سے خارج ہے۔ اس میں نہ چون و چرا کی گنجائش ہے اور نہ ہی شک و شبہ کے لئے کوئی راستہ ہے۔<sup>۱</sup> یہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور اس پر قرآن کریم کی نصوح قطعہ اور احادیث صحیحہ متواترہ شاہد ہیں۔

(۲) اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا ذریعہ اور وسیلہ قرآن و حدیث ہیں۔ اس لئے کہ نہ تو ہم اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمانے سے قبل مسلمانوں کی صلاح و فلاح اور ہدایت و بقاء کا ضامن انبیاء و پیروں کو قرار دیا اور فرمایا: ”میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں اپنے بعد چھوڑی ہیں۔ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھام لو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔“<sup>۲</sup>

(۳) قرآن و حدیث ہی جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا واحد ذریعہ ہیں اور ہم ان کی اتباع کے مامور و پابند ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے کہ ان ذرائع کی اپنی خاص نگرانی و تدبیر سے قرآن و حدیث کی حفاظت و صیانت کا سامان فرمائے۔ چنانچہ قرآن کریم اور

۱۔ شرح اعتقاد الطحاوی صفحہ ۱۳ جلد ۱

۲۔ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۸۸ جلد ۱



حدیث شریف دونوں ہی کی حفاظت کا اللہ پاک نے ذمہ لیا اور یہ دونوں مہم زمانہ نبوت سے اب تک ہر قسم کی خرد برد سے محفوظ ہو کر اس طرح منتقل ہوئے ہیں کہ عقلاء عالم کی عقلیں حیران اور اعتراف و تسلیم پر مجبور ہیں۔ (چوں کہ یہ تفصیل کا موقع نہیں اس لئے جنہیں نہ سمجھ میں آئے وہ تدوین قرآن و حدیث کے عنوان پر لکھی گئی تفصیلات کا مطالعہ کر لیں، وہاں دلائل عقلیہ و عقلیہ سے اس دعوے کو اس قدر مدلل و مستند کروایا گیا ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں رہی ہمارا مخاطب جو طبقہ ہے وہ اس بات کا منکر نہیں اس لئے یہاں اس کے بیان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔)

۴) اللہ تعالیٰ کا کلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام مجموعی طور پر انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام شعبوں کو شامل اور ان کی کلیات و جزئیات کے حامل ہیں، تاہم ان کا نزول و صدور اچانک یکجا طور پر نہیں ہوا بلکہ تدریجی و تدریجی طرز پر ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے نزول اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و تشریحات کا دور پورے تیس (۲۳) سال کی مدت طویلہ میں پھیلا ہوا ہے۔ باوجودیکہ کفار نے قرآن کریم "عجلہ واحدہ" نازل ہونے کو بڑا عجز سمجھ کر اس کا مطالبہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو نامعقول قرار دے کر تدریجی ترتیب ہی کو قائم رکھا کیوں کہ وہ بندوں کے زیادہ مناسب حال تھا۔ مختصر یہ کہ قرآن و حدیث میں جو احکامات مذکور ہیں، یہ نظریاتی خاکہ نہیں ہیں بلکہ عملی زندگی کے سدھار اور فرد و مجتمع کی درستگی کی کامیاب عملی شکل ہے۔ اسی وجہ سے نزول قرآن کے پورے تیس (۲۳) سالہ عہد اس کی ابتداء و انتہاء، احوال و کوائف، مواقع و وقائع، تعبیرات و اصطلاحات اور بالخصوص دعوت محمدی ﷺ کے مزاج و مشہاج کو اچھی طرح جاننے سمجھنے بغیر احکام شرع کو محض ان کے "الفاظ ظاہرہ" کے "معانی معروضہ" کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرنا نہایت نا صحیح اور بے عقلی کی بات ہے۔

۵) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا دور دین اور صفات اسلامی کی عملی تصویر ہونے کے اعتبار سے جامع ترین اور کامل ترین دور تھا۔ جب تک آپ موجود

رہے، اسلام نظر احسن گیارہویں صدی کی تدوین حدیث

تھے جمع دطاعت آپ کے پرہیزگاروں کا شیوہ تھا اور آپ ﷺ کے بعد بھی عوام صحابہ ضرورت کے مواقع پر فواص صحابہ کے علم و فضل کا اعتبار کرتے رہے۔ آپ ﷺ کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنا یا دین میں انسانیات اور ہوا و ہوس کو راسد و بنادہ لوگ گویا جانتے بھی نہ تھے۔

اس کے بعد سے جیسے جیسے آپ کے دور سے دوری ہوتی گئی مسلمانوں میں تمام صفات اسلامیہ منقطع ہوتی چلی گئیں اور ایسا ہونا فطری و تکوینی امر تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خود اپنے سے متصل قرون ثلاثہ کو خیر القرون قرار دیا۔ حدیث دیانت میں صفت دیانت و امانت کے دھیرے دھیرے زوال پذیر ہونے کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: "آخر میں ایسا دور آجائے گا کہ لوگ پورے پورے قبیلہ میں سے ایک آدھ شخص کا تعارف دیانت دار ہونے کی حیثیت سے کروائیں گے۔" اسی طرح آپ کا یہ ارشاد بھی ذخیرہ احادیث میں موجود ہے کہ ہر آنے والا دور گزرے ہوئے دور سے باعتبار دین و دیانت کمتر ہوگا۔ خود یزید ہزار سالہ تاریخی تجربہ اس حقیقت کی صداقت پر ناقابل تردید ثبوت ہے۔ مزید یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہی حال حافظہ کی پختگی، تقویٰ و پرہیزگاری، علوم عالیہ میں تعوق و گہرائی، فنون عالیہ میں وسعت و گیرائی وغیرہ کا بھی ہے کہ خیر القرون کے بعد سے سرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ صفات امت میں قابل لحاظ حد تک انحطاط کا شکار ہوتی گئیں اور ہوتی جا رہی ہیں۔

۶) اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اپنی سب مخلوقات کو یکساں قوت کا مالک نہیں بنایا ہے۔ ہر جنس مخلوق میں غور کیجئے اس کے انواع اور ہر نوع کے افراد کے مابین استعداد و صلاحیت میں نمایاں اور واضح فرق موجود ہے۔ ہر درخت برابر پھل نہیں دیتا۔ ہر لکڑی کی قوت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ہر پھول کی خوشبو مساوی نہیں ہوتی۔ ہر زمین کی پیداوار برابر نہیں ہوتی۔ ہر جگہ کا پانی ایک قوت و لذت کا نہیں ہوتا، ہر ستارہ کا حجم اور روشنی برابر نہیں ہوتی۔ ہر انسان کی عقل برابر نہیں ہوتی، ہر ایک کی حیثی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ہر ایک کا ہاضمہ ایک طرح کا نہیں ہوتا، ہر ایک کا حسن جدا ہوتا ہے وغیرہ۔ بے شمار مثالیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ و صلاح مجموعیہ سے اپنی مخلوقات حتیٰ کہ انسانوں کی بھی استعدادوں میں بین تفاوت رکھا ہے۔ بلاشبہ



وہ دبر کائنات اور قیوم الارض والسموات ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔ پس جس طرح اس نے تمام مخلوقات کی استعدادوں و صلاحیتوں میں کمی بیشی کا فرق رکھا ہے اسی طرح انسانی صلاحیتوں میں بھی اس کا یہ قانون جاری و ظاہر ہے، چنانچہ اس نے علم و فہم، عقل و خرد میں بھی اپنے سب بندوں کو ایک ہی سطح پر نہیں رکھا۔ ارشادِ ربانی ہے: **فوق كل ذي علم علم عليم** ”ہر صاحب علم سے بڑا عالم موجود ہے“۔ نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے فرمایا **لنسی منکم اولو الاحلام والنہی** ”تم میں سے جو لوگ صاحب فہم و دانش ہیں، وہ نماز میں مجھ سے قریب کھڑے ہوا کریں۔ اس کے علاوہ بے شمار مثالیں ہیں جو اس حقیقت کے عند الشریعت مسلم ہونے پر دال ہیں کہ علم و فہم میں سب مسلمان برابر نہیں ہو سکتے، فرق مراتب پایا جاتا ہے۔

(۷) دین کے احکام عبوری طور پر دو طرح کے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو بالکل واضح، عام فہم اور محکم ہیں جنہیں پڑھنے کے ساتھ ہی کوئی زبان و ادب بغیر کسی حاجت تشریح و توضیح کے پاسانی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں ایمانیات یعنی عقیدہ و توحید و رسالت و آخرت اور حسن اخلاق و عادات اسی طرح حسن معاملت و معاشرت، بندگی و عبادت کے عام احکام وغیرہ شامل ہیں۔ بڑا حصہ دین کا ایسا ہی ہے اور بعض احکام متشابہ، محتمل العافی، یا بظاہر متعارض ہیں۔ جنہیں پڑھنے یا سننے کے بعد ایک عام آدمی علم و فہم کی کوتاہی کی وجہ سے الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ نہ وہ کوئی مفہوم متعین کر پاتا ہے نہ تعارض کو دور کر پاتا ہے، نہ ہی ان کے مختلف محل تلاش کر کے ان پر انطباق کی سکت رکھتا ہے، کیوں کہ اس کے سامنے اس سلسلہ کی تمام باتیں بہ یک وقت موجود نہیں ہوتیں۔ اس قسم میں حلال و حرام، طہارت و نجاست، نکاح و طلاق اور دیگر معاملات و عبادات کی بہت سی جزئیات داخل ہیں۔ یہ دوسری قسم ہے جو جاہل تو جاہل، خام پڑھے لکھے آدمی کی دسترس سے بھی باہر ہے۔ اس کے لئے کسی راجح فی العلم، قرآن و حدیث کے ماہر اور عربی زبان و ادب پر قادر، ساتھ ہی دیانت دار و پرہیزگار عالم دین کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ہر مسئلہ میں اس سے متعلق تمام نصوص، ان کی درایتی و روایتی حیثیت اور

استدلالی قوت کی اچھی طرح چھان بین میں اپنی بساط بھر جھڑوسی کر کے ناخ و مسوخ، مقدم و مؤخر، اسباب و ترجیح اور وجوہ توفیق و تنبیہ وغیرہ جیسے اصول کے ذریعہ ان کی شرعی حیثیت کو متعین کر سکے اور خلاف و تضاد ظاہری کو دور کر سکے۔ چنانچہ ارشاد ہے: **”جس شخص نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس کا وبال اسی پر ہے“**۔ لیس معلوم ہوا کہ احکام دین کی اس دوسری قسم کو سمجھنے کے لئے بڑے علم و فہم کی ضرورت ہے، یہ کام نہ ہر شخص کے بس کا ہے، نہ ہی ہر شخص کو اس کا مکلف بنایا جاسکتا ہے۔ اگر ہر فرد بشر کو اس قدر علم کے حصول کا پابند کیا جاتا تو تکلیف مالا یطاق ہو کر پورے نظام معیشت کی تباہی کا سبب ہو جاتا اور کارخانہ عالم کا نظام ہی ٹھپ پڑ جاتا، اس لئے اس کو عاودہ ناممکن تسلیم کیا گیا ہے۔ **فلولا نظر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم** ”و لور وہ الی الرسول والی الی الامو منهم لعلہ الذین یتستبطونہ منهم“ جیسی آیات اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہیں۔

(۸) جب ایسی بات ہے کہ قرآن و حدیث میں کچھ احکام و مسائل ایسے بھی ہیں کہ معمولی واقفیت اور سطحی علم کے ذریعہ ان کے حقیقی منشا اور صحیح مراد کو نہیں پایا جاسکتا اور یہ بھی مسلم ہے کہ ہر مسلمان اپنے اندر بہت زیادہ علمی استعداد اور فہم و فہم پیدا نہیں کر سکتا تو لازماً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ امت ہر زمانہ میں دو طبقوں میں منقسم رہی ہے اور رہے گی۔ ایک وہ جو مختصر علم و دانش رکھتا ہے۔ دوسرا وہ جو علم دین کی تفصیل اور دلائل و نظائر کی وسعت کا حامل ہے۔ اب ظاہر ہے کہ کم علموں کے لئے ایسی صورت میں دین پر ثابت قدمی و استقامت اور ہر طرح کی گمراہی سے حفاظت کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امت کا یہ عوامی طبقہ جو دین کے مآخذ کا علم نہیں رکھتا وہ ان علماء دین اور ائمہ مجتہدین پر دین کے ان مختلف فیہ مسائل میں کامل اعتماد کرے اور ان سے پوچھ پوچھ کر اطاعت خدا و رسول کا فریضہ ادا کرتا رہے۔ فقہ کی اصطلاح میں اس پہلے طبقے کو مقلد دوسرے کو مجتہد کہتے ہیں **فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون** ”جیسی آیات اور **السا شفاء العی السؤل**،



اور فاسق و فاجر بالذہن من بعدی ابی بکر و عمرؓ جیسی احادیث کا یہی مطلب ہے۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب یہ قلیل اعظم طبقہ دین اور اصول دین سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا تو اس کا کسی "عالم مجتہد" سے اس کے قول کی دلیل پوچھنا محض انوولال یعنی اور فضول ہے اس لئے کہ اگر وہ بتلا بھی دے تو یہ بے چارہ کیا خاک کچھ سکتا ہے؟ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب کوئی عامی کسی عالم سے مسئلہ پوچھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں خدا و رسول کا کیا حکم ہے؟ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ خدا و رسول کچھ بھی کہتے ہوں گے، یہ بتلائے کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ — جب کہ غیر مقلدین اسی طرح باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ عالم مجتہد جو جواب دیتا ہے، دراصل اپنے نزدیک اس مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی جو انتہائی تحقیق ہے اس کو بتلاتا ہے نہ یہ کہ محض اپنی جانب سے کوئی فیصلہ بلا دلیل کر دیتا ہو، جب یہ بات ہے اور واقعہ بھی یہی ہے تو پھر اس پوچھنے اور بتلانے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مطلقہ میں کسی غیر کی شرکت ہرگز نہیں ہوتی، نہ مقلد کی جانب سے نہ مجتہد کی طرف سے۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا عوام کے لئے یہی ایک راستہ ہے اور عین موافق عقل و فطرت ہے۔<sup>۱</sup>

(۹) ان تمام تفصیلات کے بعد تقلید کی تعریف ملاحظہ کیجئے :

(الف) التقلید . عبارة عن اتباع الانسان غيره فيما يقول او يفعل ، معتقدا للحقية فيه من غير نظر و تأمل في الدليل .<sup>۲</sup> یعنی تقلید عبارت ہے آدمی کا اپنے غیر کے قول یا فعل کا اس کے حق ہونے کے اعتقاد کی وجہ سے دلیل کو دیکھے اور پرکھے بغیر اتباع کر لینا۔

(ب) التقلید . العمل على قول من لا حجة له بلا حجة<sup>۳</sup> یعنی "تقلید نام ہے

۱۔ ترجمہ صفحہ ۳۷۵ جلد ۵

۲۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت ممکن ہی نہیں تھی کہ غیر مقلد حضرات کے ہاں بھی یہی ہوتا ہے کہ ان کی عوام نہ ہر مسئلہ کی خود تحقیق کر سکتی ہے اور نہ ہی اپنے علماء پر اعتماد سے گریز کر سکتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ تقلید کریں تو میں توجید ہے اور ہم نہ کریں تو ہمارے شرک و کفر کوئی حد ہے اس ظلم و جبر کی؟

۳۔ کتاب فقہ حنفی جلد ۱ ص ۷۲ ج ۲ تیسرے آخری صفحہ ۳۳ جلد ۲

ایسے شخص کی تحقیق شرعی پر بلا طلب دلیل عمل کر لینے کا جس کا قول فی نفسہ حجت نہیں ہے۔ ہاں! بدلائل شرعیہ و نحوہ قرآن و حدیث ضرور حجت ہے، اس لئے کہ عالم، اہل ہدایت و ارشاد علم پر اور جاہل استرشاد و استفسار پر اللہ و رسول کی طرف سے مامور ہے۔ مگر چوں کہ دلیل کو سمجھنے کی استعداد انہیں اس لئے طلب دلیل اس کے حق میں فضول ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ لائل کو سمجھنے اور ان میں فرق کرنے کا اہل ہوتا تو وہ خود مجتہد ہوتا مقلد نہ ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ تقلید کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ شخص جس کے پاس قرآن و حدیث کا پورا علم نہیں اور شریعت مطہرہ کے حرج کے موافق ہر مسئلہ کے مالد و ماعلیہ سے پوری طرح باخبر و واقف نہیں وہ کسی عالم مجتہد کی دیانت و امانت، تقلد فی الدین اور وفور علم و فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے اس مسئلہ کے استنباط و استخراج کی تفصیل و دلیل معلوم کئے بغیر صرف مسئلہ معلوم کر کے عمل کر لے وہ بھی صرف مبہمات میں نہ کہ حکمت میں۔ یعنی صرف ان مسائل میں جو مفہوم کے اعتبار سے مبہم، معانی کے لحاظ سے محمل و متشابہ، مضمون کی حیثیت سے بظاہر متعارض یا مضطرب ہوں۔ اب تقلید کی تعریف اور تشریح معلوم ہو جانے کے بعد کون شخص ہوگا جو صاحب عقل و دانش بھی ہو اور تقلید کی ضرورت کا منکر بھی ہو؟

یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء اسلام اور ائمہ دین نے اس ضرورت کو تسلیم اور اس کے موافق عمل کیا ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہور امت کا اس پر اتفاق و اجتماع<sup>۱</sup> ہے کہ عوام الناس کے لئے سب سے اسلم و محفوظ راستہ تقلید ہی کا ہے اور یہ کہ تقلید، قرآن و حدیث تعالیٰ صحابہ اور عقل سلیم کے ذریعہ ثابت و واضح ہے، اس کی تفصیل ہمارے علماء نے چھوٹی بڑی سینکڑوں کتابوں میں جمع کر دی ہے۔ وہ مطبوع ہیں اور ہر دوکان پر دستیاب بھی۔ تعصب سے آزاد ہو کر دیانت و امانت کے ساتھ ان رسائل کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ سرمد بصیرت ثابت ہوگا۔

(۱۰) گذشتہ تفصیل سے اتنی بات تو سمجھ میں آگئی کہ تقلید نہ کفر و شرک ہے نہ بدعت و ضلالت، بلکہ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت، اہم و دینی ضرورت اور ثبات علی الحق کا محفوظ و مؤثر وسیلہ و ذریعہ ہے۔ اس کے بعد شاید ایک سوال رہ جاتا ہے وہ یہ کہ تقلید واقعی اہم اور ضروری تھی مگر کسی ایک امام

۱۔ راوی محمد ص ۵۳-۵۴



مجتہد کی تقلید کی پابندی کیوں ضروری ہے؟ مقلد کو اختیار ہے کہ وہ جب جس کی چاہے تقلید کر لے۔  
 سو اس کا جواب یہ ہے کہ جائز تو دونوں صورتیں ہیں اور تعامل صحابہ و تابعین سے ثابت  
 بھی۔ لیکن آپ خود کریں گے تو سمجھ میں آئے گا کہ تقلید کی دوا ہم مصلحتیں ہیں: ایک شارع کے صحیح  
 عقائد پر عمل آوری، دوسرے ہوا و ہوس کے شکار ہو جانے سے حفاظت۔ تقلید مطلق کے ذریعہ  
 غیر مجتہدین کے لئے پہلی مصلحت کا حصول ممکن ہوگا۔ مگر تجربہ و تعامل عام سے جب یہ بات متحقق  
 ہوئی کہ ہوا و ہوس کے عموم اور دیانت و امانت و رعب و تقویٰ کی دن بہ دن کمی کی وجہ سے اتباع دین  
 کے بجائے اتباع نفس و رائے کے خطرات بڑھ گئے ہیں بلکہ روز افزوں ہیں۔ جب کہ اسلام  
 اتباع ہوئی و ہوس کو خطرناک مہلکہ قرار دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی شہادت و خباثت  
 بکثرت وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ  
 وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيَاً۔ یعنی ”نبیوں کے بعد پھر ایسے ناخلف لوگ وجود میں  
 آ گئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور خواہشات نفسانیہ کے ور پے ہو گئے، سو مقترب یہ عسی  
 میں داخل کئے جائیں گے۔“ اسی طرح حدیث پاک میں ”اعجاب کل ذی رای برایہ“ کو  
 علامات قیامت میں شمار کیا گیا۔ ”مع“ کو مہلکات و موبقات میں سے فرمایا گیا ہے۔  
 اس لئے امت کو اس موذی مرض سے بچانا بھی بہت ضروری تھا۔ جس کے نتیجہ میں دین و مذہب کا  
 اتباع ختم ہو کر ہوائے نفسانیہ کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور اللہ و رسول ﷺ کے احکامات ہوس پرستی،  
 موقہ پرستی اور تاویلات باطلہ کے ذریعہ یکمیل تماشہ بن جاتے ہیں۔ (جس کی واضح اور خطرناک و  
 شرمناک مثالیں مضمون کے دوسرے حصے میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے) تو بعد کے علماء نے بڑی  
 دور اندیشی اور معاملہ نمئی سے کام لیتے ہوئے قرآن و حدیث کی روشنی میں امت کے لئے تقلید شخصی  
 کو ”نَسْأُ اللہ ربہ“ لازم اور ضروری قرار دے دیا۔ جس پر امت کے علماء کرام کا سلسلہ و خلفاء اجماع  
 ہو گیا اور تواتر و توارث کے ساتھ آج تک قائم ہے۔ فالحمد لله علی نعمانہ الشاملہ و الاء  
 الکاملہ۔

(۱) ادھر کچھ عرصہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت کی جانب سے جس میں بعض اہل علم و فضل  
 اور اکثر کم علم و غیر محترم حضرات شامل ہیں تقلید کا یہ مسئلہ بڑی شد و مد بلکہ غلو و افراط کے ساتھ اٹھایا  
 جا رہا ہے۔ گو ہر زمانہ میں ناقابل لحاظ چند علماء ”نفس تقلید“ یا ”تقلید شخصی“ کی ضرورت کے مخالف و  
 منکر رہے، لیکن ان حضرات میں اعتدال تھا اور وہ اپنی تحقیق میں معذور تھے۔ پھر ان کا طریق  
 اختلاف بھی بہت حد تک مخلصانہ و منصفانہ ہوا کرتا تھا۔ نیز وہ لوگ مقلدین کی حقانیت، ائمہ مجتہدین  
 کے عالی مقام، و فوہ علم اور مخلص فی ائذہب ہونے کے نہ صرف بدل و جان قائل تھے بلکہ ان کے  
 احترام و اکرام و تعظیم مقام میں کسی قسم کی کوتاہی یا کم ظرفی سے کوسوں دور اور بے تہمتی و بے ادبی  
 سے سخت نفور تھے، مگر اب اس جماعت میں ایک ایسا کم فہم و نا سمجھ طبقہ وجود میں آیا ہے جو مہادیات  
 دین و اصول دین سے قطعاً ناواقف اور بالکل سٹگی ذہن و مزاج کا حامل ہے۔ اس کے بچہ بچہ کا حال  
 یہ ہے کہ چند حدیثیں، چند محدثین کے نام، چند مسائل کو لے کر امت میں تفریق و انتشار تقسیم و  
 تکثیر اور اپنے علاوہ پوری امت اسلام پر کو کبھی مشرک، کبھی یہودی اور کبھی ائمہ کے پجاری اور خدا  
 جانے کن کن الزامات سے نوازتے رہتے ہیں۔ صبح و شام کا مشغلہ اور زبان و قلم کا استعمال ائمہ کرام  
 اور علماء و عظام کی توہین کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہو جھٹتے اور نہ جاننے  
 والے انجانی و نادانی میں وہ منہ شکافیاں اور خامہ زوریاں دکھارہے ہیں کہ خود سرپیٹ رہی ہے اور  
 دین و دیانت کا جنازہ نکل رہا ہے۔ اخلاق و شرافت سرنگوں ہو چکے ہیں اور جب سے عرب ممالک  
 کے چند آزاد خیال و لہا حیت پسند علماء ان کے ہاتھ لگ گئے اور جال میں پھنس گئے تب سے تو کیا  
 کہنا! ان جہالتوں کی کوئی حد ہے نہ انتہاء۔ وہ باتیں میں آگے نقل کروں گا جن سے آپ ہمارے  
 اس دعوے کا ثبوت پائیں گے۔

۱۔ اللہ و رسول کو ٹھنڈی رکھے اور بے اختیار تم قرآن ان علماء و ائمہ پر جنہوں نے وہام امت کے لئے اپنی بصیرت خدا داد  
 کے ذریعہ تقلید کو واجب کر کے اس آزادی و سہ راہی سے بچالیا اور نہ کیا عجیب کہ اس دین کا اسی وقت جنازہ نکل گیا  
 ہوتا اور آج ہمیں خدا کا یہ دین نفس پرستوں کا کھلو کا بن کر پہنچا ہوتا۔ حیرت ہے کہ ان چشم کشا تجربات کے بعد بھی ان  
 اللہ والوں اور پاک بازوں کی مجال ہو کہ علی و علیہ السلام کا یہ لوگ احترام نہ کر سکے۔



یہ لوگ اپنے کواہل حدیث، سلفی، اثری، محمدی، مدنی اور خدا جاننے کن کن ناموں سے موسوم کرتے ہیں، مگر حقیقی صورت حال یہ ہے کہ یہ لوگ حدیثوں کا نام ضرور لیتے ہیں مگر اپنی منتخب و اختیار کردہ حدیثوں کے علاوہ دیگر حدیثوں پر عمل نہیں کرتے، خواہ وہ احادیث صحیحہ ہی کیوں نہ ہوں۔ سلفی کہلاتے ہیں مگر سلف صالحین کے سخت مخالف ہیں، اثری کہتے ہیں مگر نہ کسی صحابی کے اثر کو قبول کرتے ہیں نہ تابعین و ائمہ مجتہدین کا اتباع کرتے ہیں۔ محمدی بننے کا شوق ہے مگر اسوہ محمدی سے کوسوں دور ہیں۔ مدنی لکھتے ہیں مگر ہیں ہندوستانی، واقعہ یہ ہے کہ جو حال ان کا اپنی نسبتوں کے ساتھ ہے وہی پورے دین کے ساتھ ہے۔

(۱۲) الغرض دین پر ثبات کی ایک تو تقلید و اتباع والی شکل تھی جسے بفضل اللہ تعالیٰ وعون جمہور علماء کرام اور مسلمانوں کے "سواد اعظم" نے اختیار کیا اور الحمد للہ کہ یہ لوگ اخلاص و للہیت کے ساتھ کتاب و حکمت کے فضاء کے مطابق، علماء و ائمہ مجتہدین اور سبیل المؤمنین کے اتباع کی ہرکت سے آج تک ہر قسم کی بے راہروی اور گمراہی، بے ادبی و بے تہذیبی اور بزرگوں کی شان میں گستاخی کے جرم سے محفوظ و مامون ہیں (عملی کوتاہیاں علاحدہ چیز ہیں، اس سے نہ وہ خالی ہیں نہ ہم!) اور جس قدر بھی اعمال، اشتغال، موعظت، تذکیر، اصدا ج اُمت کی مساعی، فرق باطلہ ضالہ کا مقابلہ، الی وادارہ او کے حلقوں سے ملت کا دفاع، عقائد اسلامی کا تحفظ، مختصر یہ کہ حفاظت و اشاعت اسلام کی بنیادی و کلیدی تختیں پورے عالم میں اس وقت تک ہو رہی ہیں — کس طرح اللہ کا شکر ادا کیا جائے کہ — بفضل تعالیٰ و وسب اسی جماعت حقہ اور اسی سواد اعظم کے حصہ میں آئیں۔ اللہم لانحصی ثناء اعلیک انت کما اثبت علی نفسك۔

اس کے برخلاف جن لوگوں نے دوسری صورت "نوع بخاری و آزادی" کو اختیار کیا تقلید کو غیر ضروری بلکہ کفر و شرک کے برابر جرم سمجھا اور اس نہایت معقول و مقبول، فطری اور ثابت من الکتاب والسنہ طریقہ کار کی نامعقول و غیر مستند طریقہ سے مخالفت کرتے رہے، تاریخ و تجربہ شاہد ہے کہ نہ ان کی منطقی گاڑی زیادہ دور تک چل سکی نہ ہی ان کی عقلوں نے بہت دیر تک یاری کی، کچھ دور اور کچھ مسائل تک گرتے پڑتے چلے۔ بات آئین ہالچہ، دفع یدین، قرأت خلف، لام جیسے چند

جزوی اور محض تزنجی مسائل سے ذرا آگے بڑھی تو پھر — اللہ ہی رحم فرمائے — پیپارے نہیں کے نہ رہے، پھر جب اپنے کو ان مسائل کے آگے عاجز پایا اور دیکھا کہ "ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں" تو اللہ کے یہ بندے پہلے بے باکی، پھر سخت کلامی، پھر بدنہانی پر اتر آئے حدیث کے ائمہ و علماء حتیٰ کہ صحابہ عظام کی شان میں جرأت و گستاخی سے تنگ نہ بیچ سکے، پھر انھوں نے بہت سے مسائل میں تقلید سے کتراتے ہوئے بھی اجتہاد و تقلید کے جو گل کھلائے ہیں انھیں دیکھ کر عقل خیران رہ جاتی ہے۔ دراصل عدم تقلید کا یہی سب سے بڑا مضر و مفسد پہلو ہے۔ جس نے ابا حیت و اجازت کا نہ بندہ ہوئے والا باب کھول دیا ہے جسے دیکھو بخاری کا ترجمہ ہاتھ میں لے کر ائمہ کرام و صحابہ عظام کا وزن تولنے اور گردن ناپنے پر علا ہوا ہے۔ نہ اصولی تفسیر سے باخبر ہوتا ہے نہ ہی اصول حدیث کی کچھ شہد ہوتی ہے نہ صحیح کی فنی تعریف معلوم ہے، نہ ضعیف کی حقیقت سے واقف اگر اصرار یہ ہے کہ فقہاء اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں حدیث صحیح کو چھوڑ کر مخالفت نبی ﷺ کے مجرم ہوئے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ تو ان کی نظر عالی میں کسی حساب میں نہیں آتے۔ انھیں وہ حدیث کے میدان میں "طفل متب" بھی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ آج چھوٹے چھوٹے مکتبوں میں کسین بچے کم از کم چالیس احادیث تو سنائی دیتے ہیں اور نام نہاد اہل حدیثوں — غیر مقلدوں — کے نزدیک امام اعظم صرف ستر حدیثوں سے باخبر تھے۔ فبا حسرة علیہم وبالله عجب اور ان مفلس العلم، مدعیان "عمل بالحدیث" کی کجروی و گمراہی کی صورت حال کا یہ نقشہ ممکن ہے ان کے قلوب پر ہمارے قلم سے بہت شاق گذر رہا ہو اور ذہن پر بارگراں ثابت ہو رہا ہو، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اسی جماعت کے محصل اور پختہ خیال بزرگان و اکابر کے قلم سے اپنی جماعت کی تعریف و تعارف میں نکلے ہوئے چند جواہر پارے ناظرین کی خدمت میں پیش کریں، کیوں کہ مشہور ہے: صاحب البیت ادری بمصافہ اگرچہ ہم بھی بے خبر نہیں، مگر کہنے کا زیادہ حق ان کو پہنچتا ہے اور وہ اچھی طرح کہہ سکتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

— نواب صدیق حسن خاں صاحب جو اس جماعت کے قابل اور صاحب تصانیف علماء میں سے ہیں، اپنی جماعت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:



”اس زمانہ میں ایک شہرت پسند اور ریاکار فرقہ پیدا ہوا ہے جو باوجود ہر قسم کی خامیوں کے قرآن و حدیث کے علم اور ان پر عمل کا مدعی ہے حالانکہ اس فرقہ کو علم و عمل اور (صحیح دینی) معرفت کے ساتھ کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”عجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیوں کر اپنا نام خالص موجد رکھتے ہیں اور دوسروں کو (جو تقلید کرتے ہیں) مشرک کہتے ہیں، حالانکہ یہ خود سب لوگوں سے بڑھ کر سخت متعصب اور غالی ہیں۔“

— اور ایک بڑے غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین بنالوکی فرماتے ہیں :

”پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، کفر و ارتداد، فسق و فجور کے اسباب کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے، مگر وہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں، وہ ان نتائج سے ڈریں، اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں۔“

— صحاح ستہ کے مترجم نواب وحید الرحمن حیدر آبادی رقم طراز ہیں :

”غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں، انھوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماع کی بھی پروا نہیں کرتے، نہ سلف صالحین، صحابہ اور تابعین کی قرآن کی تفسیر میں لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے، بعضے عوام اہل حدیث کا یہ حال ہے کہ انھوں نے صرف دفع یدین اور آئین بالجہر کو اہل حدیث ہونے کے لئے کافی سمجھا ہے، باقی اور آداب و سنن اور اخلاق نبوی ﷺ سے کچھ مطلب نہیں، غیبت،

جھوٹ، افتراء سے پاک نہیں کرتے، ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں، اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں، بات بات میں ہر ایک کو مشرک اور قریب پرست کہہ دیتے ہیں۔“

— ماہنامہ ”اہل حدیث“ دہلی کے ایڈیٹر نے تو اپنے گھر کا سب کچھ کچا چٹھا سامنے رکھ دیا ہے اور تازہ ترین صورت حال سے واقف کرادیا ہے :

”ہماری جمعیت مسلک کی دعوت و تبلیغ کے لئے نہیں بلکہ رویہ، اقتدار کی ہوس کو پورا کرنے کا ذریعہ بن گئی ہے، عوام کو بے وقوف بنایا جا رہا ہے اور مسلک و جماعت کے نام اور منصب کا بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ جس شخص کے پاس جمعیت کا عہدہ اور منصب ہو وہ پہلے اس کے ذریعہ عرب دنیا میں پہنکتا ہے، پھر اپنے کاروبار کو وسیع کرتا ہے، کیوں کہ اس منصب کے ذریعہ دین اور عرب شیوخ تک رسائی بہر حال آسان ہو جاتی ہے۔“

ہمارا موضوع ہے : ”عدم تقلید کی دینی مضرتیں“ آپ فیصلہ کیجئے اکابر غیر مقلدین نے ترک تقلید کے مضمرات و نقصانات کا جو تجزیہ و تجربہ پیش کیا ہے اس کے بعد بھی مزید کسی وضاحت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا غیر مقلدین کی فکری و عملی گمراہی کا یہ چشم دید نقشہ، یعنی مشاہدہ ترک تقلید کے ہر طرح مضرب ہونے کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں — بات اب بھی نہیں سمجھ میں آئی تو آگے چلئے، راقم اپنے چند ذاتی تجربات پیش کرتا ہے :

(۱) میں نے مسجد نبوی شریف کے صحن میں ایک غیر مقلد نوجوان کو یہ تقریر کرتے ہوئے سنا : ”حنفی لوگ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آکر انھیں زندہ سمجھ کر سلام کرتے ہیں اور ان سے سفارش و استغفار کی درخواست کرتے ہیں، جب کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے اے نبی! آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اب مجھے بتاؤ کہ مردوں کے پاس آکر



اس طرح کہنا کیسے جائز ہو گیا؟

صرف نظر اس کے کہ ہمارا عقیدہ اس سلسلہ میں کیا ہے اور کیوں ہے، صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ انداز بیان اور کلمات گستاخانہ کس ذات عالی کے متعلق کہے جا رہے ہیں، آپ اس کا تصور کریں اور منکرین تہکید کی اس بے تہذیبی پراسنوں کے بجائے خون رومیں۔

(۲) حرم شریف ہی میں ایک دوسرے غیر مقلدوں جو ان کی تقریر:

”مسلمانو! تمہاری وہ نمازیں جو تم نے خفی طریقہ سے پڑھی ہیں ایک بھی نہیں ہوئی۔ ساری زندگی برباد ہو گئی، اب تو کم از کم نماز پڑھنا سیکھ لو، بغیر رفع یدین کے نماز ہی نہیں ہوتی۔ ہمارا امام صرف ہمارا نبی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو امام ماننا شرک ہے۔ سعودی حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے حرم مکہ میں سے چار مصلے ختم کر کے سب مسلمانوں کو ایک امام پر جمع کیا، جب تک سعودی حکومت نے مسجد حرام میں سے چار مصلے نکال کر کچرے میں نہیں پھینک دیئے جب تک حرم میں بھی شرک گھسا ہوا تھا۔“

میں ان ہفوات پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا اس لئے آپ صرف نشان زدہ جملوں پر غور کر لیجئے۔

(۳) ایک غیر مقلد امام مسجد کی تفسیر بالرائے ملاحظہ فرمائیے:

”جو نمازیں چھوٹ گئیں ان کی قضا نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن میں ہے:

”ثَبَّتْنَا بِرَأْسِهِ الْوُجُوہَ الْوُجُوہَ الْوُجُوہَ“ اس لئے بس تو یہ کر لینا کافی ہے۔“

(۴) انہی کی یہ تفسیر بھی غور سے پڑھئے اور سردھنیے:

”ان الله وصلحکمه (الایۃ) کا ترجمہ دراصل یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے کے ذریعہ سے اپنے نبی پر قرآن اتارا ہے، اسے ایمان والو تم اس قرآن پر عمل کرو۔“

دیکھئے خاتم نے اس بدترین من گھڑت توجیہ کے وقت، عقل، علم، لغت سب کچھ بالائے طاق رکھ کر یہ وہ نصاریٰ کی طرح تحریف کتاب کا ارتکاب کیا ہے۔

(۵) ایک غیر مقلد خطیب صاحب خطبہ جمعہ میں ارشاد فرما رہے ہیں:

”امراء ربو کو برحق کہنے والے کو اپنے منہ کی طہارت ملنی چاہئے۔“

(۶) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جماعت صحابہ میں بڑے عالم و فقیہ سمجھے جاتے ہیں، تاریخ اسلام اور تاریخ صحابہ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے، لیکن ایک غیر مقلد کے سامنے ان کی روایات پیش کی گئیں تو جواب ملتا ہے:

”ان کو چھوڑو، ان کا حافظہ کمزور تھا وہ بہت باتوں کو بھول جایا کرتے تھے۔“

(۷) ایک صاحب کا قول ہے: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الانبیاء کہنا جائز نہیں۔“ جب کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ خود قرآن میں موجود ہے۔

یہ اور اس طرح کی بے شمار باتیں ہیں جو گفتگو کے دوران خود کانوں سے سنی ہیں یا بعض رفقاء نے ان کے خطیبوں سے سن کر نقل کی ہیں۔ ان زبانی تجربات کے علاوہ ان کے کتب و رسائل کے چند اقتباسات بھی ملاحظہ فرمائیے:

(۸) حضرت عائشہؓ کا کیا مقام ہے، ہر مسلمان کو معلوم ہے، وہ ام المؤمنین ہیں اور ان کی پاکبازی کی شہادت قرآن کریم میں موجود ہے، لیکن ایک غیر مقلد عالم جناب عبدالحق بناری کی دیدہ و لیری ملاحظہ کیجئے:

”انھوں نے (یعنی حضرت عائشہؓ نے) حضرت علیؓ سے جنگ کر کے ارتداد کیا اور اگر بلا تو یہ ان کی موت ہوئی تو یہ کفر پر موت ہے۔“

(۹) حضرت عمر فاروقؓ صحابی رسول ہیں، خلیفہ دوم ہیں اور احادیث شریفہ میں ان کی اطاعت کا حکم موجود ہے، نبی نے ان پر اعتماد کیا ہے اور ان کے قلب و زبان پر حق کے جاری ہونے کی بشارت دی ہے، لیکن غیر مقلدین کو ان پر اعتماد نہیں ہے۔ نبی ان کے طریقہ کو سنت کہتے ہیں اور غیر مقلدین ان کے طریقہ کو بدعت عمری کہتے ہیں، یہ قول ملاحظہ کیجئے:



”بہت صاف صاف اور موٹے موٹے مسائل ایسے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے ان میں غلطی کی، ان مسائل کے دلائل سے وہ بے خبر تھے۔“<sup>۱۰</sup>

(۱۰) ان لوگوں کا تواتر کو ”بدعت عمری“ کہنا اور حضرت عثمان غنیؓ کی جاری کردہ اذان ثانی کو ”بدعت عثمانی“ قرار دینا سب کو معلوم ہے، جب کہ ہر شخص جانتا ہے کہ بدعت بدترین گناہ اور دین میں زیادتی کی مذموم کوشش ہے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ اور خلیفہ ثالث ذوالنورین حضرت عثمان غنیؓ جیسے اکابر صحابہ کیا اس حرکت کے مرتکب ہو سکتے ہیں؟<sup>۱۱</sup>

(۱۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ”السابقون الاولون“ میں سے ہیں، وہاں رسول ہیں، علوم اسلامی اور نبی امین کے امین ہیں۔ کتب حدیث ان کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔ مگر نام نہاد اہل حدیث کا عقیدہ ہے :

”سیدنا علی کے خود ساختہ حکمرانہ عبوری دور کو خلافت راشدہ میں شمار کرنا صریحاً بدویاتی ہے۔“<sup>۱۲</sup>

(۱۲) جنتی نو جوانوں کے سردار، ریحانۃ الرسول جگر گوشہ فاطمہ بتول، حضرات حسنین کرامؓ جیسی قابل احترام ستیوں کی تنقیص تو جن سے بھی اعمال نامہ ان کا خالی نہیں ہے :

”حضرات حسنین کو زمرہ صحابہ میں شمار کرنا صریحاً سہابیت کی ترجمانی یا انہماق و اعتقاد کی خرابی ہے۔“<sup>۱۳</sup>

(۱۳) زہد الامت، صحابی رسول، حضرت ابوذر غفاریؓ جن کی بڑے بڑے صحابہ کرام عزت کرتے تھے، غیر مقلدین ان کے احترام کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ نبی ﷺ کی تربیت اور شرف صحابیت، الٰہی قبولیت، سب کو نظر انداز کرتے ہوئے انھیں کیونرم سے متاثر قرار دیا جا رہا ہے :

ع طریق حموی ص ۵۴

ج شاید ان حضرات کا عقیدہ شیعوں کی طرح نبیؐ اور اکابرؓ میں نبیؐ کے بعد صراطِ مستقیم سے ہیکہ گئے تھے اور شاید ایسی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک صحابہ کرام کا قول و فعل حجت نہیں ہے۔ (الانج المنکحل ص ۲۹۲)

ج خلافت راشدہ از حکیم فیض عالم صفحہ ۶۵ ج سیدنا حسن ابن علی از حکیم فیض عالم صفحہ ۲۲

”ابن سبا کے کیونسٹ نظریات سے متاثر ہو کر ہر کھاتے پیتے مسلمان کے پیچھے لٹ لے کر بھاگ اٹھتے تھے۔“<sup>۱۴</sup>

(۱۴) صحابہ کرام بھی بشر تھے، انبیاء کی طرح معصوم عن الخطا نہ تھے، ان سے بلاشبہ غلطیاں ہوئیں لیکن ان کا بگڑا تو بہ کرنا اور اس تو بہ کا مقبول ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے، ان کے لئے خلاف ادب زبان و قلم کا استعمال بالافتاق حرام و ناجائز ہے۔ لیکن ایک غیر مقلد عالم کے دل کی بھڑاس دل پر پتھر رکھ کر پڑھنے کے وہ صحابی رسول ﷺ حضرت ماعزؓ سلمی کے بارے میں کیا لکھتے ہیں :

”یہ (شخص) نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہؓ کسی غزوہ کے لئے نکلتے تو مردوں کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر جنس زدہ بد معاش کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا تھا۔“<sup>۱۵</sup>

اسی طرح حضرت غامدیہ کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ :

”وہ آزاد قسم کی بد پیشہ عورت تھی۔“<sup>۱۶</sup>

(۱۵) ائمہ جرح و تعدیل نے الصحابة کلہم عدول کہہ کر تمام صحابہ کو قابل اعتماد اور عادل ٹھہرایا ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ تمام کے تمام دیانت دار، پاکباز اور صادق القول تھے، لیکن غیر مقلدین اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، ان کا کہنا ہے کہ :

”صحابی کا قول قابل حجت نہیں۔“<sup>۱۷</sup>

قصہ مختصر یہ کہ پوری جماعت صحابہ ہی غیر معتبر ہے، پھر جب اس محروم ادب جماعت کے سفاک ہاتھوں سے حضرات خلفاء راشدین، اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات اور عامہ صحابہ کرام کا وقار و اعتبار نہ بچ سکا تو ان کے نزدیک محدثین و فقہاء کس قطار و شمار میں آسکتے ہیں۔ خود ہی سمجھا

ج خلافت راشدہ صفحہ ۲۳

اس ہزاری زبان کا صحابہ کرام کے لئے استعمال کرنے والا اعجاز کر لے کہ انہیں کو کیا کہے گا۔

ج تدبر قرآن صفحہ ۳۵ ج تدبر قرآن صفحہ ۷۲ ج حد ۵

ج الانج المنکحل ص ۲۹۲



جاسکتا ہے پھر بھی نمونہ چند مثالیں اس کی بھی پیش کی جاتی ہیں۔

(۱۶) حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "المجامع الصحیح" میں واقعہ انک یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت والے مشہور واقعہ کو روایت فرمایا ہے۔ اس کی وجہ سے ان پر "ایک غیر مقلد صاحب" شہید برہم ہیں۔ اسی برہمی کی حالت میں امام بخاریؒ کے اعتماد و استناد کی دھجیاں یوں کھیرتے ہیں :

"در اصل امام بخاری میرے نزدیک اس روایت کے معاملہ میں مرفوع القلم ہیں"۔<sup>۱</sup>

یعنی نادان پاگل ہیں، اس لئے کہ علمی اصطلاح میں "مرفوع القلم" نابالغ بچے یا مجبوظ الکواس آدمی کے لئے مستعمل ہے۔

(۱۷) امام ترمذیؒ عظیم محدث ہیں "سنن ترمذی" ان کی علمی یادگار ہے اور صحاح ستہ میں شامل ہے۔ دنیا آج تک ان کا نام احترام سے لیتے آئی اور ان کی سنن سے فائدہ اٹھاتی رہی ہے۔ ان کی سنن کے بارے میں بھی "غیر مقلدین" کی رائے معلوم کر لیجئے :

"معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم کے بعد کسی سبائی تفسال میں انھیں (ان حدیثوں کو) گھڑا گیا ہے"۔<sup>۲</sup>

مجھے نہیں معلوم ہو سکا کہ ہر مسئلہ میں صریح و صحیح حدیث کا مطالبہ کرنے والے غیر مقلدین نے کس کشف و کرامت کے ذریعہ یہ انکشاف کیا ہے؟

(۱۸) ابن شہاب زہریؒ زبردست محدث اور پایہ کے عالم ہیں۔ سب سے پہلے کہا جاتا ہے کہ "تدوین حدیث" کا انھیں کو شرف حاصل ہے۔ ان کے حق میں ایک غیر مقلد صاحب نے درج ذیل انکشاف کیا ہے :

"وہ منافقین و کذابین کے دانستہ سی نادانستہ ہی کسی مستقل ایجنٹ تھے۔ اکثر کمرہ کن و خبیث و مکذوب روایتیں ان کی طرف منسوب ہیں"۔<sup>۳</sup>

۱۔ ایضاً ص ۱۰۸

۲۔ صدیقہ کائنات ص ۱۰۶

۳۔ صدیقہ کائنات ص ۸۰

(۱۹) اہل سنت و الجماعت سے تو ان لوگوں کو یہ بغض و عداوت ہے جو آپؐ نے پڑھ لیا۔ اس کے بالمقابل روافض اور قادیانیوں سے قلبی تعلق و ہمدردی، مودت و محبت کس قدر ان میں پائی جاتی ہے، اسے بھی ملاحظہ کیجئے اور حضرات صحابہ کرام کے بارے میں ان لوگوں کا رافضیانہ عقیدہ ذرا کلیہ پر تمام کر پڑھئے :

"کچھ صحابہ فاسق تھے، جیسا کہ ولید اور اس کے مثل کہا جانے کا معاویہ، عمرو،

صفیر، سرہ کے حق میں"۔ لایجوز لہم الترضی۔<sup>۱</sup>

یعنی ان لوگوں کے لئے رضی اللہ عنہ کہنا جائز نہیں ہے۔ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بڑا اشدنی تمام صحابہ کو رضی اللہ عنہم و رضوانہ فرمائیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو سبقت سکھا رہے ہیں کہ لایجوز لہم الترضی۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عباسؓ کے بارے میں کہتے ہیں :

"دونوں باغی، سرکش اور شریر تھے"۔<sup>۲</sup>

(۲۰) قادیانی باغیقات امت کا فریض۔ بچہ بچہ الحمد للہ اس سے واقف ہے۔ لیکن حضرات صحابہ کرام کو فاسق، باغی اور سرکش و شریر قرار دینے والے غیر مقلدین کا "قادیانی مرتدین" سے حسن ظن اور اعتماد کا کیا حال ہے؟ ان کے بڑے عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری سے سنے :

"میرا مذہب و عمل یہ ہے کہ ہر گز گو کے پیچھے اقتداء جائز سمجھتا ہوں، وہ شیعہ ہو یا مرزائی"۔<sup>۳</sup>

نماز کی طرح وہ قادیانی عورت سے نکاح کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

"میرے ناقص علم میں مرزائین سے نکاح جائز ہے"۔<sup>۴</sup>

دیکھئے اور دیدہ عبرت سے دیکھئے! مسلمانوں کے سوا "اعظم" اہل سنت و الجماعت سے کئے تو کہاں جا کے پہنچے :

۱۔ رسائل اہل حدیث ص ۹۳

۲۔ نزل اللہ جہاں ص ۹۳

۳۔ ایضاً ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء

۴۔ انوار اہل حدیث ۱/۲۱ اپریل ۱۹۱۵ء



— کم علمی بلکہ جہالت و بے علمی کے باوجود تقلید کو حرام قرار دے کر "عمل باللہ ریث" کے دعوے نے ان بے چاروں کو ضلالت و گمراہی کے جس دلدل میں پھنسا دیا ہے اور جس طرح کے شرمناک و خطرناک فتاویٰ ان کے زبان و قلم سے صادر ہونے لگے ہیں، انھیں دیکھ کر ایک مخلص غیر مقلد عالم مولانا داؤد غزنویؒ کا بھی کلیجہ پھٹنے لگا اور وہ اپنی جماعت کی اس خطرناک صورت حال پر اس طرح ماتم کنال ہیں :

"جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابو حنیفہؒ کو حنیفہ کہہ رہا ہے۔ کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کہہ دیتا ہے، پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے، یا زیادہ سے زیادہ گیارہ، اگر بڑا احسان کرے تو وہ سترہ حدیثوں کا عالم گرد اتنا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر عالم کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہیں ان میں اتحاد و یکجہتی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے؟ یا غریبة العلم انما اشکوبہی وحزنی الی اللہ"۔

اس جماعت کی فکری آزادی اور مذہبی بے راہروی نے اسے کہاں تک پہنچایا ہے؟ اس کی چند مثالیں آپ پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے بعد ہر ایک صاحب سمجھ آدی اس نتیجہ پر باسانی پہنچ جائے گا کہ ترک تقلید دراصل گمراہی کا ایک دروازہ ہے۔ اس میں داخل ہونے والا ضلالت کی کسی بھی حد تک پہنچ سکتا ہے اور یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں ہے، تجربہ کار اور آزمودہ غیر مقلد علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ ایک غیر مقلد عالم مولانا عبد الواحد خان پوریؒ کا ارشاد ملاحظہ ہو :

"اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث، مبتدعین، مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء بہ الرسول سے جا ملے ہیں وہ صفت میں وارث و خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و رافضی کے، یعنی شیعہ جس طرح پہلے مسلمانوں میں باب اور دلیر کفر و نفاق تھے"۔<sup>۲</sup> (اسی طرح جھوٹے اہل حدیث بھی کفر و نفاق کا دروازہ ہیں)

پھر انھوں نے تفصیل سے بتایا کہ قادیانی، مرزائی، چکڑالوی جیسے ملاحدہ و زناد قد سب اسی دروازہ سے برآمد ہوئے ہیں اور اپنے ایک مشہور زمانہ عالم کو تو "خاتم المسجدین" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موصوف نے "غیر مقلدیت" کے نتائج کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ آنکھوں دیکھا حال ہے جو ناقابل تردید حقیقت بن چکا ہے، چنانچہ نمونہ از خوارے :

مرزا غلام احمد قادیانی	پہلے غیر مقلد	پھر قادیانی
اس کا خلیفہ حکیم نور الدین	پہلے غیر مقلد	پھر قادیانی
سر سید احمد خاں	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
اسلم جبرانی پوری	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
غلام احمد پرویز	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
عنایت اللہ مشرقی	پہلے غیر مقلد	پھر طرد و بے دین
ڈاکٹر احمد دین	پہلے غیر مقلد	پھر طرد و بے دین
عبد اللہ چکڑالوی	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
نیاز فتح پوری	پہلے غیر مقلد	پھر درہرہ
مسعود احمد	پہلے غیر مقلد	پھر امام مفسر ض الطاعت

— ایک تازہ ترین مثال بھی اخیر میں ملاحظہ کیجئے جو مجھ سے یہیں کے ایک عالم دین نے بتلائی کہ ان کے علاقہ میں ایک تعلیم یافتہ نوجوان دین کی طرف راغب ہوئے اور دیرے دیرے ترقی کرتے ہوئے ماشاء اللہ خاصے قبیح سنت ہو گئے۔ وضع قطع اسلامی، نمازوں کی پابندی، حلال و حرام کی تحقیق اور تمام احکام کی پابندی کرنے لگے۔ اس بے چارے پر کسی غیر مقلد کی نظر پڑ گئی انھوں نے اسے سمجھایا کہ "تقلید شرک ہے اور تم اتنی ساری محنت مقلد بن کر کر رہے ہو بیکار رہے اور ہم (نام نہاد) اہل حدیث حضور ﷺ کے علاوہ کسی کی اتباع نہیں کرتے"۔ مختصر یہ کہ کسی طرح انھیں غیر مقلد بنایا۔ اب وہ ہر معاملہ میں "حدیث صحیح" کی تلاش کرنے لگے اور ان کو جب ان کی تحقیق میں کوئی صحیح حدیث نہ ملتی تو دیرے دیرے ایک ایک سنت نبویؐ کو ترک کرنا شروع کیا۔ حدیثوں میں ایسے



اُلکھے کہ اپنی بے مائیگی علم اور اصول وین سے ناواقفیت کی بناء انھیں حدیثیں ہی غلط و من گھڑت معلوم ہونے لگیں۔<sup>۱</sup>

”نتیجتاً منکر حدیث ہو گئے“ اب خود ہی منے، خود ہی سے خانہ اور خود ہی جام و سیو بننے کا بدترین اور خوفناک انجام یہ ہوا کہ اس شخص نے خود ان عالم سے کہا: (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) ”کسی مسلک اور جماعت کا قصور نہیں ہے دراصل امت کو تو محمد (ﷺ) ہی نے طرح طرح کی باتیں کہہ کر کنفیوز (Confuse) کیا ہے اور وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔“

میں تو اس کی نقل کرنے کے لئے بھی یار بار سوچتا رہا اور ڈرتا رہا کہ کہیں اس کی خموت میں شریک نہ کر دیا جاؤں۔ مگر ”نقل کفر کفر نہ باشد“ کے مد نظر امت کو ترک تقلید کے خطرناک نتائج کی عملی شکل بتلانے اور انھیں خبردار کرنے کے لئے ضروری سمجھ کر نقل کر دیا اور مجھے اس شخص کے ان الفاظ اور اس کے گمراہ کن فیصلے پر ذرا تعجب نہیں کہ اس کی مثل اور اس سے بڑھ کر بھی میں نے حیدرآباد کے تارکین تقلید جاہل نو جوانوں کی زبانوں سے سن لیا ہے، اللہ ہی حفاظت فرمائے آمین۔  
یہ معلوم ان کے بڑے کس خواب و خیال میں ہیں کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دانش نہ سہی نادانستہ ہی سہی کسی ”اسلام دشمن سازش“ کا شکار تو نہیں ہو گئے؟<sup>۲</sup>

اس لئے کہ انھیں اب بھی اپنے برحق ہونے پر اصرار ہے اور ان حالات کو دیکھ کر بھی سنبھلنے اور قوم کو سنبھالنے کے لئے تیار نہیں ہیں، بلکہ بقصد و ارادہ من گھڑت، خود ساختہ اور خانہ زاد الزامات وضع کر کے ہندوستان کے علماء و احناف — جو دراصل ہندوستانی مسلمانوں کے دین و ایمان کے حق میں زمین پر اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی ہیں — کو علماء عرب کے سامنے مشتبه و

۱۔ امام مسلم نے مقدمہ میں بڑی پختہ بات فرمائی ہے کہ ”عوام ان اس کے لئے جو اصول سے واقف ہیں زیادہ احادیث کا معلوم ہو جانا ضرور ہے۔“ (۱) اپنے کو محدثین کے طریق پر قرار دینے والے غیر مقلدین کم از کم اس عظیم المرتبت محدث کی اس صحبت کو مان لیتے مگر

۲۔ ان کے بقول جب ابن شہاب زہری جیسے محدث سازشوں کا شکار ہو سکتا ہے تو یہ بے چارے کس حساب میں آئیں گے؟

بدنام کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ اس سراسر جھوٹ و بہتان پر نہ اللہ سے شرم کر رہے ہیں نہ حساب کے دن سے ڈر رہے ہیں، جس کی واضح مثال اور بین ثبوت ان کی تازہ عربی تصنیف ”الدیوبندیدہ“ ہے جس میں انھوں نے دین و دیانت، عدل و انصاف اور سچائی کا وہ خون کیا ہے جس کی اختلافات امت کی تاریخ میں نظیر ملنی مشکل ہے لہنس ما کانوا یصنعون۔

یہ ترک تقلید کی دودھنی مضرتیں ہیں جن کے بد نظر علماء و متقدمین نے عوام مسلمین کو تقلید ہی نہیں ”تقلید شخصی“ کا پابند کر کے ان مضرتوں اور خطرات سے محفوظ کر لیا تھا۔ کیسے کیسے علماء و محدثین، عباقرہ علم و عمل اور جبال دین و دیانت نے اس تقلید کا اہتمام کیا ہے آخر کس طرح ان سب کو گمراہ و مشرک قرار دیا جاسکتا ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دم سے اسلام زندہ رہا اور ہے:

خدا یاد آئے جنھیں دیکھ کے وہ نور کے پتکے

نبوت کے وارث ہیں یہ یہی ہیں گل رحمانی

پس مسلمانوں کو چاہئے کہ قرآن و حدیث پر عمل کے لئے ان علماء و رہبانین پر اعتماد کریں اور ”سبیل الہدیین“ کی اتباع کے اپنے مسلم و متوارث طریق کو ان گمراہان فکر و خیال اور مفسدان علم و تقویٰ کے سطحی الزامات و اعتراضات سے متاثر ہو کر ترک نہ کریں، ورنہ جو مشران کا ہوا ہے وہ ہمارا بھی ہو سکتا ہے۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا

اجتنابه آمین برحمتک یا ارحم الراحمین .





مختصر تذکرہ

سیدنا الامام الاعظم<sup>رح</sup>

ابو حنیفہ نعمان بن ثابت علیہ رحمۃ اللہ ورضوانہ

تحریر

مولانا محمد عابد القوی

ناشر  
اشرف العلوم  
حیدرآباد



اسم گرامی :

آپ کا اسم گرامی نعمان، کنیت ابو حنیفہ، لقب امام اعظم ہے۔ آپ سلف فارسی ہیں، آپ کے آباؤ اجداد فارس کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بعضوں نے آپ کو غلام خاندان سے منسوب کیا ہے۔ لیکن اولاً تو یہ خلاف تحقیق بات ہے۔ ثانیاً اگر ایسا ہے بھی تو کسی کی فضیلت و بزرگی میں یہ چیز رکاوٹ برگز نہیں ہے۔ چنانچہ صحابہ و تابعین میں بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کی صحابیت و تابعیت پر غلامی جب اثر انداز نہیں ہوتی تو الامام الاعظم ہی کے لئے یہ چیز خاندانی شرافت و نجابت کے حق میں نقصان دہ کیسے ہو جائے گی؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے : ”میرے مقرب متقی لوگ ہیں، جو ہوں، جہاں ہوں۔“

ولادت، جاہ و ولادت :

بہر حال الامام الاعظم کی ولادت باسعادت عالم اسلام کے مایہ ناز و تاریخ ساز شہر کوفہ میں ۸۰ھ میں ہوئی۔ وہی کوفہ جس کی علمی و فقهی تعمیر کی خشت اول حضرت عبداللہ ابن مسعود ہیں۔ (جنہیں حضرت عمرؓ نے باوجود اپنے پاس ان کی سخت ضرورت ہونے کے بھی وہاں بھیج دیا تھا)۔ وہی کوفہ جس میں چار ہزار علماء و محدثین پیدا ہوئے، جس کو چند سو صحابہ کرام کے مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جسے مدینہ معلوم حضرت علیؓ نے علم سے بھر پور شہر قرار دیا، جہاں کے علماء و محدثین کے حافظہ و ذہانت اور علمی انہماک پر ابن عمرؓ جیسے طویل القدر صحابی نے رشک فرمایا تھا، جہاں احادیث الرسول کا اس قدر ذخیرہ تھا کہ امام بخاریؒ کے استاد حضرت عقیلؒ فرماتے ہیں : ”اگر ہم کوفہ میں احادیث جمع کرنے کا اہتمام کرتے تو ایک لاکھ احادیث جمع کر لیتے۔“ جہاں سے علمی فائدہ اٹھانے والوں میں بخاری اور ترمذی جیسے محدثین بھی ہیں۔ مختصر یہ کہ الامام الاعظم کا مولد اپنے زمانہ کا سب سے بڑا علمی مرکز و محدثین کا مخزن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ روایت حدیث کی بہت بڑی

تعداد کوفہ سے تعلق رکھتی ہے۔ کوفہ کی بات آئی تو ہم نے اس کا ذکر تفصیل سے اس لئے کیا کہ ماحول کے پس منظر میں اندازہ کیا جاسکے کہ رجال علم و رجال فہم اکابر صحابہ و مشاہیر تابعین کے مبارک و منور ماحول میں پیدا ہونے، پروان چڑھنے، ان سے ملاقاتیں کرنے اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنے اور انہی محدثین کبار کے آگے تفصیل علم کے لئے زانوئے ادب تہہ کرنے والے الامام الاعظم کا علم، فہم و فہم، طرز استدلال، طریقہ اخذ احکام اور اس معاملہ میں ورع و تقویٰ، اہتمام و احتیاط کس اتنی درجہ کا ہوگا اور جو لوگ حدیث کی آگ میں جلتے ہوئے الامام الاعظم کو قتل العلم یا علم حدیث سے بے بہرہ قرار دے کر آپ کے فقہی مسلک کو ضعیف و مشکوک ثابت کرنے کے لئے تاریکیوں جیسے اعتراضات کر رہے ہیں۔ وہ کس حد تک مٹی پر صداقت و دیانت ہیں؟!

شرف تابعیت :

امام الاعظمؒ نے حضرات صحابہ کا زمانہ پایا ہے۔ بعضوں نے ستر صحابہ سے ملاقات کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس کی تحقیق نہیں، البتہ ۲۲ صحابہ کرامؓ کی سنین و فوات کو سامنے رکھ کر ان سب سے الامام الاعظمؒ کی ملاقات کے قوی امکانات کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ تاریخی شواہد کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ الامام الاعظمؒ نے حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ، سہل بن سعدؓ، جابر بن عبداللہؓ، راشد بن اسحقؓ، معقل بن یسارؓ، ابو طفیلؓ، عبداللہ بن انیسؓ، عبداللہ بن جزہؓ، عائشہ بنت جحشؓ رضی اللہ عنہم سے تو بہر حال ملاقات فرمائی ہی تھی۔ تابعیت کا شرف حاصل کرنے کے لئے ایک صحابی کی ملاقات ہی کافی تھی۔ چہ جائیکہ اتنی تعداد، بلکہ بقول حافظہ ذہنی کے حضرت انسؓ سے الامام الاعظمؒ نے متعدد بار ملاقات فرمائی ہے۔ علماء حدیث نے اس پر اتفاق فرمایا ہے کہ آپ نے اصحاب رسولؐ سے روایات بیان کی ہیں۔

کسب حلال :

امام الاعظمؒ کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ آپ نے بھی اسی کو کسب معاش کا ذریعہ بنایا۔ اس لہٰذا میں آپ نے کافی ترقی فرمائی۔ کاروبار کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ کوفہ کے علاوہ ایران، عراق، شام و عرب کے ملکوں کو آپ کے ہاں سے مال سپلائی کیا جاتا تھا۔ تجارت میں صفات دیانت و



امانت کے اعتبار سے آپ کا کاروبار ممتاز شمار ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض اہل قلم نے آپ کی تجارت کے طرز کو صدیق اکبرؐ کی تجارت سے مشابہ قرار دیا ہے۔ وسیع تر کاروبار نے آپ کو غیر معمولی طور پر مصروف کر لیا تھا۔ ہر وقت اسی کی وجہ بھال اور حساب کتاب میں لگے رہتے تھے۔ ایک دن اسی سلسلہ میں کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں امام شعیبیؒ سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے الامام اعظمؒ کے چہرہ پر علم و فہم، دانائی و ہشیاری، ذہانت و ذکاوت، ورع و تقویٰ کے مہر تاباں کو دیکھ کر ان سے ارشاد فرمایا :

”صاحبزادے کہاں گھومتے رہتے ہو؟“ آپ نے فرمایا کہ حضرت تجارت کے سلسلہ میں سودا گروں کے پاس آمد و رفت رہتی ہے۔ امام شعیبیؒ نے فرمایا :-  
”عمامہ کے پاس بھی آتے جاتے ہو؟“ فرمایا حضرت بہت کم۔ فرمایا : ”ان کے پاس بکثرت جایا کرو۔“

تحصیل علم :

الامام الاعظمؒ کا کہنا ہے کہ : ”اس کے بعد سے میرے دل میں حصول علم کا ذوق پیدا ہو گیا۔“ چنانچہ آپ نے اس جانب توجہ فرمائی اور وقت کے مروجہ علوم حاصل کئے۔ خصوصاً علم کلام میں آپ نے کافی درجہ مہارت حاصل کی اور مختلف موضوعات پر مناظرے ہونے لگے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے بصرہ — جو کہ فریق باطلہ اور گمراہ مناظرین کا گڑھ تھا — کی جانب میں مرتبہ سفر فرمایا اور بڑے بڑے مناظروں میں حصہ لیا۔ یوں تو آپ اس میں کافی مشہور اور مقبول ہوتے جا رہے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ سے کسی عظیم و کریم کام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ کچھ مدت میں آپ کا رجحان علم فقہ کی طرف ہو گیا۔ واقعہ اس کی تحریک کا یہ بتایا جاتا ہے کہ الامام اعظمؒ ایک مرتبہ دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی عورت نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا۔ آپ اس سے واقف نہ تھے۔ آپ نے امام حمادؒ کی طرف بھیجا اور کہا : ”وایہی میں تمہیں بھی بتا چکا تھا“ وہ عورت واپس آئی اور مسئلہ بتا کر چلی گئی۔ لیکن اس باب میں اپنی اعلیٰ کا آپ کو بے حد افسوس رہا اور اسی وقت سے آپ نے مشہور محدث معروف استاد و امام حمادؒ کے درس میں شرکت شروع فرمادی۔ امام

مما و حضرت انسؓ ابن مالک سے براہ راست سماعت فرمائے ہوئے اور ابن مسعودؓ کی فقہ کی سند ماننے جاتے تھے۔ اوالاً آپ کو باتیں جانب مبتدیوں کی صف میں بٹھایا گیا لیکن بہت جلد امام حمادؒ نے تہذیب کیا کہ ذہانت اور فقہات میں ابوحنیفہؒ کے درجہ کا ایک بھی طالب علم نہیں۔ اسی لئے آپ کو صف اول میں بٹھایا جانے لگا۔ وہی برس میں آپ نے اس نازک ترین فن میں اس قدر مہارت حاصل فرمائی کہ خود آپ کا بیان ہے : ”دو برس کے بعد مجھے خیال آیا کہ میں خود درس شروع کر دوں۔“ مگر استاد کا ادب مانع ہوا، اس لئے آپ استفادہ ہی فرماتے رہے۔ دوران طالب علمی ہی سے آپ کا انداز فکر اور طرز استدلال مجتہدانہ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام حمادؒ کے ساتھ آپ کسی سفر میں تشریف لے گئے۔ اثناء راہ میں نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ پانی موجود نہیں تھا۔ اس لئے امام حمادؒ نے تمیم کر کے نماز پڑھ لی۔ مگر آپ نے نماز نہیں ادا کی۔ آپ کا خیال تھا کہ آخر وقت مستحب تک پانی کے انتظار میں نماز کو مؤخر کرنا چاہیئے۔ آگے چل کر پانی مل گیا اور آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ استاد محترم نے شاکرہ کے اس فقہی و فکری پروا کی داد دی اور خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اس کے باوجود آپ اپنے اساتذہ کا بڑا اکرام فرماتے تھے۔ ان کی شان میں اولیٰ گستاخی کو بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ ہماری زندگی میں کبھی ان کے گھر کی طرف پتھر نہیں پھیلایا۔ خود فرماتے تھے : ”میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس کے بعد والدین اور اساتذہ کے لئے نوحے منفرات نہ کی ہو۔“

فقہ میں ویسے تو آپ خصوصاً طور پر امام حمادؒ ہی کے شاگرد تھے لیکن عموماً آپ نے بہت سے اساتذہ و علم و فن سے استفادہ کیا ہے، چنانچہ آپ کے اساتذہ کی تعداد تین سو کے قریب بتائی گئی ہے۔ خود یہی بات آپ کے مقام علم کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

تدوین فقہ :

بلاشبہ الامام الاعظمؒ ہی وہ شخصیت ہیں جنہیں فقہ اسلامی کے قوانین کے تدوین و مرتب کرنے کا شرف سب سے پہلے حاصل ہوا۔ دوسری صدی ہجری کا ربیع اول مذہبی اعتبار سے بڑے اہم و مختلف کا زمانہ ہے۔ خشیت و تابعت تیزی کے ساتھ ختم ہوتی جا رہی تھی، احکام شریعت کو اہل ہواہوس نے تحلیل بنا رکھا تھا۔ اہل علم حضرات کے مابین بھی شدید و کثیر اختلافات پیدا ہو گئے



تھے۔ بعض حضرات صرف ظاہر حدیث پر عمل کو ضروری اور قیاس و اجتہاد کو حرام قرار دیتے تھے۔ ایک جماعت ان حضرات کی تھی جو روایت و درایت کو یکجا کرنے کے قائل تھے۔ ان ہی خوش قسمت نفوس میں الامام اعظمؑ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ان اختلافات کا سب سے زیادہ نقصان عوام الناس کو ہوا۔ قاضیوں کے متضاد فتویٰ و فیصلوں سے عوام میں عجیب طرح کی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ الامام اعظمؑ ان پریشان حالات کو چشم خود ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ان حالات کے ازالہ اور خاتمہ کے لئے آپ شدت سے ضرورت محسوس فرماتے رہتے تھے کہ فقہ اسلامی کی باضابطہ اور باقاعدہ تدوین ہوئی جائے تاکہ عوام الناس کو مسائل کے جاننے اور عمل کرنے میں دشواری نہ ہو تو دوسری طرف قاضیوں اور مفتیوں کو مسائل کے سمجھنے اور فتاویٰ و فیصلوں کے جاری کرنے میں دقت اور اشتباہ و اختلاف نہ پیدا ہو۔ امت کی اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے آپ نے تدوین فقہ کی جانب توجہ فرمائی۔ پہلے اس کام کے لئے کئی مقامات کے بارے میں سوچا گیا لیکن بہت سی مصلحتوں اور سبیلوں کے پیش نظر ہفتہ فتنی کو اس کے لئے ترجیح دی گئی۔ پھر آپ نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے ذی نیقت و باصلاحیت چالیس علماء کا انتخاب فرمایا جن میں ماہرین حدیث، ماہرین قیاس و اجتہاد، ماہرین لغت و عربیت اونچے درجہ کے اصحاب زہد و تقویٰ تھے اور اپنے اپنے فن میں ممتاز مقام کے حامل تھے۔ پھر اس میں سے بارہ خصوصی حضرات پر مشتمل مجلس خصوصی بنائی۔ یہ حضرات ایک جگہ جمع ہوتے تھے۔ آپ ایک ایک جزیہ کو پیش کرتے اور اس پر بحث شروع ہو جاتی جب سب متفق ہو جاتے تو اس مسئلہ کو لکھ لیا جاتا بعض مرتبہ ہفتوں، مہینوں بحث چلتی اور کسی نتیجہ پر نہ پہنچتے تو خود الامام اعظمؑ اس پر جامع و مانع تقریر فرماتے جس کو سب ہی قبول کر لیتے۔ پھر بھی اگر کسی کو اپنی رائے ہی پر اصرار ہو تو اسے بھی قلم بند کر لیا جاتا۔ اسی طرح بائیس سال کی طویل مدت میں تراسی ہزار دفعات پر مشتمل ایک کتاب فقہ تیار ہو گئی۔ یہ کام اگرچہ کہ ۱۳۴ھ سے قبل ہی ختم ہو گیا تھا تاہم اس کا سلسلہ چلتا ہی رہا۔ تا آنکہ آپ گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے گئے اور اس مبارک کام کا سلسلہ وہاں بھی قائم رہا۔ پوری امت کا فرض ہے کہ اس عظیم کارنامہ کی تکمیل پر خراج عقیدت و محبت پیش کرتے ہوئے ان امام اعظمؑ کے حق میں دست بدعا رہے۔

امام الاعظمؑ کے اس فقہی کارنامہ کی عند اللہ مقبولیت کا اندازہ اس سے لیا جاسکتا ہے کہ آج ایک محتاط اندازے کے موافق عالم اسلام کا وہ تہائی حصہ اسی فقہ کی تقلید کرتا ہے۔  
اوصاف حمیدہ :

اسلام کے اس سواد اعظمؑ کی ذاتی خوبیوں اور محاسن اور کمالات کے تذکرے کے لئے دقاتر و ذخائر درکار ہیں۔ لیکن بات ختم کرنے سے قبل جی چاہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ تذکرہ ان خوبیوں کا بھی آجائے جو الامام اعظمؑ کی ذات میں قدرت کے فیاض ہاتھوں نے ودیعت فرمائے تھے۔ آپ فطرۃ حسین و جمیل تھے۔ حسن و جمال کے ساتھ نزاکت و لطافت کا علاوہ تو ہمیشہ ہی سے قائم ہے، لیکن حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کم تر جوتے ہیں۔ الامام اعظمؑ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی بھی رکھی تھی۔ آپ نہایت منساہ، خوش گفتار اور باوقار تھے۔ خود داری کی زندگی گزارتے تھے، دولت تو آپ کے گھر کی چیز تھی لیکن نخوت و کبر کی بو بھی آپ میں نہ تھی۔ غریبوں کے مددگار اور بے سہاروں کا سہارا تھے۔ خصوصاً طلبہ کی دیکھ بھال اور ان کی حوائج و ضروریات کی برابر فکر فرماتے رہتے تھے۔ جن خوش نصیبوں کو آپ کے زیر کفالت علم حاصل کرنے کا موقع ملا ان میں آپ کے مایہ ناز شاگرد امام محمدؑ بھی ہیں، وہی امام محمد جن کی سیسہ کبیسہ کو پڑھ کر ایک غیر مسلم اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ مسلمانوں کے چھوٹے محمد کا علم و فضل میں یہ حال ہے تو ان کے بڑے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا حال ہوگا؟ اور ہم کہتے ہیں شاگرد کے علم و فضل کا یہ عالم ہو کہ ایک غیر مسلم اس کی تحریروں کے ذریعہ نور ایمان سے منور ہو جائے تو استاذ کے علم و فضل کا کیا حال ہوگا؟ آپ کی صفات حسنہ میں امانت و دیانت، پڑوسیوں سے حسن سلوک، والدین اور اساتذہ کے احترام کو اتمیازی درجہ حاصل ہے۔ اسی طرح شب بیداری اور تہجد گزاری، کثرت تلاوت، کثرت صوم، تدبیر فی القرآن، مراقبہ موت و فکر آخرت، باوجود رہنے کا اہتمام، زہد و تقویٰ میں بھی آپ کی مثال کم ہی ملے گی۔

ایامِ آخریں :

دنیا میں نہ کوئی ہمسر رہنے کے لئے آیا ہے نہ رہے گا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دنیا



سے ایک مدت کے بعد پردہ پوش ہو گئے تو اوروں کا کیا شمار۔ ہم حال الامام الاعظمؑ کے لئے بھی ایک وقت مقرر تھا۔ ابھرا اللہ تعالیٰ نے اس عظیم مہجری شخصیت سے جو کام لینے کا ارادہ فرمایا تھا اس کی بھی تکمیل ہو رہی تھی۔ موت کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ چاہئے۔ ۱۶۹ھ میں جب خلیفہ منصور نے الامام الاعظمؑ کے سامنے قضاء کا عہد پیش کیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ اس انکار کی وجہ یہی تھی کہ اس زمانے میں ظالم بادشاہ نے عدلیہ پر اپنا کنٹرول کر رکھا تھا اور قضاء کو فیصلہ کی آزادی حاصل نہیں تھی۔ انھیں ظالم و مظلوم، حق و داریا غیر مستحق کی تمیز کے بغیر حکام کے اشاروں پر فیصلے کرنے ہوتے تھے۔ جب آپ نے انکار فرمادیا تو منصور کو بہانہ ہاتھ آ گیا اور اس نے آپ کو گرفتار کر دیا کہ جیل بھیج دیا جب آپ کی گرفتاری کی شہرت ہو گئی تو لوگ اسی حال میں جمع ہونا شروع ہو گئے اور جیل خانہ ہی میں اناروہ و استفادہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چار سال الامام الاعظمؑ اس ظلم و استبداد کا شکار رہے۔ روزانہ آپ کو کوزے لگا کر عہدہ قضاء کی قبولیت پر مجبور کیا جاتا۔ مگر اس سلسلہ میں آپ قوی العزم تھے اور تمام حالات کا سامنا کرنے کے عہدہ قبول نہ کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔

ابھرا دن بدن الامام الاعظمؑ کی مقبولیت جیل میں مفید ہونے کے باوجود بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اس واقعہ نے آپ کی عظمت و اکرام، عقیدت و احترام کو مزید تیز کر دیا۔ اس لئے منصور کو کچھ بھانپنی نہیں رہے رہا تھا۔ بالآخر اس نے الامام الاعظمؑ کو زہر دلوادیا۔ آپ کو جب اس کا علم ہوا تو سجدہ شکر بجالائے اور جان جان آفریں کے سپرد فرمادی۔

وفات :

یہ حادثہ فائدہ ماہ شوال ۱۵۰ھ بروز جمعہ کو پیش آیا۔ الامام الاعظمؑ کی وفات کی خبر دیکھتے دیکھتے سارے شہر میں پھیل گئی لوگ جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ آپ کے ایک استاد نے ہاتھ نم آپ کو غسل دیا اور انھوں نے ہی آپ کی پہلی نماز جنازہ پڑھائی جس میں پچاس ہزار آدمی شریک تھے۔ اس کے بعد پانچ مرتبہ اور نماز پڑھی گئی۔ آپ کی قبر شریف آپ ہی کی وصیت کے موافق خیر دان کے مقبرہ میں بنائی گئی۔ تین دن تک مسلسل جنات کے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ آپ کی مزار پر بعد میں بعض سلاطین نے مقبرہ تعمیر کیا

خراج عقیدت :

عالم اسلام کی جن ممتاز شخصیتوں نے الامام الاعظمؑ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اس کی چند مثالیں بھی بدیہ ناظرین ہیں :

۱۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں : "زہد و تقویٰ اور علم میں امام ابوحنیفہؒ اس مقام پر ہیں جہاں کوئی نہیں پہنچ سکا" ۲۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں : "ابوحنیفہؒ کو کیا سمجھتے ہو وہ بڑے فقیہ ہیں۔ ابوحنیفہؒ اپنی قوت استدلال سے پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر سکتے ہیں" ۳۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں : "جس شخص نے امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو نہیں دیکھا وہ عالم فقہ نہیں دوسکتا" ۴۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں : "امام ابوحنیفہؒ سے اگرچہ بعض لوگوں کو اختلاف ہے لیکن ان کی فہم اور فقہ میں کوئی شک نہیں۔ کچھ لوگوں نے ان کی تذلیل کے لئے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو بالکل جھوٹی ہیں" ۵۔ سفیان بن عیینہؒ : "ہم سمجھتے تھے کہ ابوحنیفہؒ کا فقہ کوفہ سے باہر نہ نکل سکے گا۔ مگر ہم نے دیکھ لیا کہ وہ آفاق میں پہنچ گیا ہے" ۶۔ حارث بن داؤدؒ : "اہل اسلام پر امام ابوحنیفہؒ کے لئے دعا کرنی لازم ہے کیوں کہ انھوں نے آثار و احادیث کو ہمارے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ اگر کسی کو احادیث و آثار کی ہار یکیاں جانی ہو تو اس کے لئے ابوحنیفہؒ ہیں" ۷۔ امام بخاریؒ کے استاد کی ابن ابیہیمؒ فرماتے ہیں : "امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم و زاہد ہیں۔ میں کوفہ کے علماء کی مجلسوں میں بیٹھا ہوں لیکن میں نے کسی کو امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر متقی نہیں پایا۔

حقیقت اعتراضات :

یوں تو اہل دنیا کے اعتراضات سے حضرات انبیاءؑ کے نفوس قدسیہ و ذوات عالیہ بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ اوروں کا کیا شمار و تقاریر؟ اس لئے یہ مسئلہ کچھ بہت قابل اہتمام نہیں۔ تاہم اگر ہم الامام الاعظمؑ کے نقادین و محترضین کا سرسری جائزہ لیں تو ان میں اکثر تو وہ ہیں کہ جن کے اعتراضات کی حقیقت الامام الاعظمؑ کی سبقت و اولیت، ان کے فقہ کی اہمیت، ان کے لئے امامت عظمیٰ کی تخصیصیت، عالم اسلام کے ایک بڑے حصہ میں ان کے مسلک کی ترویج و قبولیت پر حسد امن



عقد انصہم سے زیادہ نہیں۔ البتہ ان میں ایک چھوٹی سی تعداد ایسے ناقدین کی بھی ہے جن کے اعتراضات تنقید سے اعراض نہیں کیا جاسکتے، لیکن علمائے احناف کے متقدمین و متاخرین بلکہ غیر ضعیف معتمدین و محقق مؤرخین نے بھی ان بزرگوں کے اعتراضات کو تحقیق و انصاف کی میزان میں رکھ کر بدلائل واضح ثابت کر دیا کہ اس کا سبب صرف الامام الاعظم کی جلالت علمی و منصب دینی سے ان کی بے خبری، ہم گنیت و ہم نام معاصرین کی زیادتی، اعداء و حاسدین کی قلمی دسائی، بے باکی تھا جو ان حضرات کی الامام الاعظم کے بارے میں غلط فہمی و بد نظمی کا باعث ہوا۔

هذا ما اعرف وافهم ، والله تعالى اعلم واحکم .

